ستمبر 2026
قیمت: 200 روپے
www.monthlycrimebureau.com
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ
CRIME BUREAU
ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی

ترکی اور پاکستان کے ساتھ
مکہ معاہدے کی حقیقی اہمیت

انڈیا کا سفارتی امتحان:

سرکاری طیارے پر لندن کا نجی دورہ:
مریم نواز نے قومی خزانے میں دو کروڑ 71 لاکھ روپے جمع کروادیے

انڈیا میں 'السلام علیکم' اور 'انشا اللہ' کہنے پر خاتون افسر کے تبادلے کا الزام، معاملہ کیا ہے؟

پی ٹی آئی اور جے یو آئی میں گرمجوشی فی الحال پارلیمان تک محدود

1965 کی جنگ
جب پاکستانی فضائیہ نے انڈیا کے دس جنگی طیارے تباہ کیے

مجھے دھمکیاں ملیں، پیچھا کیا گیا: ڈاکٹر سمیہ کا میر رضا کمیشن کو بیان

مسٹری ڈاک

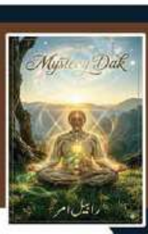

پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر کی سبسڈی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 06 | ستمبر 2026ء | شمارہ نمبر 10

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے۔ (الکہف: 28)

فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم! جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے (بخشش کی) امید رکھے گا تو میں تمہیں معاف کرتا رہوں گا خواہ تمہارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (ترمذی 3540)

فہرست

مریم نواز نے قومی خزانے میں دو کروڑ 71 لاکھ روپے جمع کروادیے	04
ترکی اور پاکستان کے ساتھ مکہ معاہدے کی حقیقی اہمیت	05
1965: جب پاکستانی فضائیہ نے انڈیا کے دس جنگی طیارے تباہ کیے	06
پی ٹی آئی اور جے یو آئی میں گرمجوشی فی الحال پارلیمان تک محدود	07
ڈرونز کے خلاف پاکستانی فضائیہ کا نیا دفاعی سسٹم کیا ہے؟	08
مکہ معاہدہ کیا مغربی ایشیا میں نئے علاقائی نظام کی پیش رفت؟	09-10
تنازعات کا سمندر اور کراچی پولیس	11
'نئی دہلی اعلامیہ' برکس ممالک کے درمیان کن اختلافات کو ظاہر کرتا ہے؟	12-13
مجھے دھمکیاں ملیں، پیچھا کیا گیا: ڈاکٹر سمیہ کا میر رضا کمیشن کو بیان	14
پیٹرول پر **100** روپے فی لیٹر کی سبسڈی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟	15-16
فجر فائیو: سمندر تک بحری سرنگیں پہنچانے والا ایرانی راکٹ	17-18
فلسطینیوں کے قتل پر بننے والی فلم، ہدایتکار کو شہریت ختم کرنے کی دھمکی	19
انڈیا میں 'السلام علیکم' اور 'ان شاء اللہ' کہنے پر خاتون افسر کے تبادلے کا الزام	20
مسٹری ڈارک	21
پاکستانی خواتین میں تیزی سے مقبول ہوتی الیکٹرک سکوٹی	22
محمد رضوان کی اپنے خلاف تحقیقات روکنے کی درخواست خارج	23
وائٹل سائنز: وہ بینڈ جو 26 سال بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے	24-25
جہانگیر: وہ بادشاہ جس نے اپنے نشوں کا اعتراف بے باکی سے کیا	26-27
عقل داڑھ کا اصل کام کیا اس کے نکلنے سے درد کیوں ہوتا ہے؟	28-29

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انویسٹی گیشن: زاہد شاہ

مجلس ادارت:

راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان، طارق پٹھان

انچارج سندھ ڈیسک

انعام شاہ (03043010516)

چیف رپورٹر:

انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹرز:

عمیر خان، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، محمد احسن، نور العارفین، نعمان صافی، سلطان چاکی سومرو احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:

نوید میو (اسلام آباد)   سعدیہ حق (لاہور)

چوہدری مستقیم (چنیوٹ)   عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈپٹی بیورو چیف: ہارون علی (چنیوٹ)

اعزازی رپورٹر: ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز: محمد نعیم (چنیوٹ)

ابرار احمد (سوات)   مراد عباسی (پنوعاقل)

آفتاب سروان (ٹھٹھہ)

قانونی مشیران: امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ

امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا

monthlycrimebureau@gmail.com
crimebeauru@gmail.com

- آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔
- کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0300 2056305

سرکاری طیارے پر لندن کا نجی دورہ:
مریم نواز نے قومی خزانے میں دو کروڑ 71 لاکھ روپے جمع کروادیے

انگلینڈ میں اپنی بیٹی کی گریجویشن تقریب کے لیے پنجاب حکومت کے طیارے کے استعمال پر ہونے والی تنقید کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب مریم نواز نے اِس ضمن میں اٹھنے والے اخراجات کی مد میں لگ بھگ دو کروڑ 72 لاکھ روپے قومی خزانے میں جمع کروادیے ہیں۔

پنجاب کی وزیرِ اطلاعات اعظمیٰ بخاری نے بی بی سی اُردو کو تصدیق کی ہے کہ اس حوالے سے دو کروڑ 71 لاکھ 97 ہزار روپے کی رقم جمع کروادی گئی ہے۔ اس حوالے سے ہونے والے تنقید کے بعد اعظمیٰ بخاری نے کہا تھا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب اپنے دورہ لندن پر آنے والے جہاز کے تمام اخراجات اپنے پاس سے ادا کریں گی۔ پنجاب حکومت کی ترجمان نے اس ضمن میں اُس نوٹیفیکیشن کی بھی تصدیق کی جس میں بتایا گیا ہے کہ پانچ ستمبر سے نو ستمبر تک حکومت پنجاب کے طیارے پر کیے گئے نجی غیر ملکی دورے پر آنے والے اخراجات کے رقم دو کروڑ 71 لاکھ 94 ہزار اور چار روپے ہے اور اس ضمن میں 'جیٹ سٹریم انٹرنیشنل' اور پاکستان سٹیٹ آئل (پی ایس او) کی جانب سے موصول ہونے والے بل بھی منسلک ہیں۔

اس نوٹیفیکیشن میں بتائی گئی رقم سرکاری خزانے میں جمع کرواکر اُس کی رسید پنجاب حکومت کے متعلقہ محکمے کو جمع کروانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اعظمیٰ بخاری کے مطابق اب یہ رقم جمع کروادی گئی ہے۔ خیال رہے کہ مریم نواز رواں ماہ کے آغاز پر اپنی بیٹی ماہ نور صفدر کی گریجویشن تقریب میں شرکت کے لیے گذشتہ ہفتے لندن پہنچیں تھیں۔ مریم نواز نے اپنے تین روزہ دورے کو نجی دورہ قرار دیا تھا۔ تاہم اس وزٹ کے لیے انھوں نے پنجاب حکومت کا ملکیتی 'گلف سٹریم جی فائیو ہنڈرڈ' طیارہ استعمال کیا تھا۔

گذشتہ کئی روز سے اپوزیشن رہنما اور ناقدین یہ تنقید کر رہے تھے کہ ایک نجی دورے کے لیے پنجاب حکومت کے طیارے کا استعمال غریب عوام پر مزید بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔

اس تنقید کے بعد اگرچہ اعظمیٰ بخاری متعدد مواقع پر یہ کہہ چکی ہیں کہ مریم نواز اس سفر پر اٹھنے والے اخراجات برداشت کریں گی مگر وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے ترجمان کوثر کاظمی نے اینکر پرسن منصور علی خان کے پروگرام میں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ وزیرِ اعظم یا وزیرِ اعلی کا کوئی بھی دورہ نجی نہیں ہوتا۔ رواں برس کے آغاز پر پنجاب حکومت کی جانب سے 11 ارب روپے مالیت کا یہ سرکاری طیارہ خریدنے پر بھی کافی تنقید ہوئی تھی۔

اُس وقت اعظمیٰ بخاری نے طیارے کی خریداری سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ یہ طیارہ پنجاب کی ایئر لائن 'ایئر پنجاب' کے لیے خریدا گیا ہے جس کے لیے مختلف فلیٹ بنائے جا رہے ہیں اور یہ طیارہ بھی اس کا حصہ ہوگا۔ انھوں نے اس موقع پر اعلان کیا تھا کہ 'ایئر پنجاب' کا آغاز اپریل 2026 سے ہو جائے گا، لیکن تا حال اس حوالے سے کوئی پیش رفت سامنے نہیں آسکی ہے۔ بعد ازاں وزیرِ اعظم پاکستان کے مشیر رانا ثنا اللہ نے کہا تھا کہ پنجاب حکومت کا طیارہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ پنجاب حکومت کا اثاثہ ہے۔

بی بی سی نے ایوی ایشن ماہرین سے بات کر کے یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ اس نوعیت کے طیارے پر لندن سفر پر کتنی لاگت آتی ہے؟

بی بی سی اُردو نے اس نوعیت کے طیارے کرائے پر دینے والی ایک کمپنی کے عہدیدار اور ایوی ایشن ماہر سے گفتگو کر کے یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ تین روز کے دورے پر ممکنہ طور پر کتنا خرچہ آسکتا ہے۔ لاہور کی ایک ایوی ایشن کمپنی کے عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ نجی کمپنیاں گلف سٹریم طیارے کے لیے 12 سے 15 ہزار ڈالرز فی گھنٹہ وصول کرتی ہیں۔ اُن کے بقول پاکستان میں بڑے ادارے اور کچھ پراپرٹی ٹائیکون بھی یہ جہاز کرائے پر دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ اس طیارے پر لندن تک کا سفر سات گھنٹے پر محیط ہوتا ہے اور اگر 12 ہزار ڈالرز فی گھنٹہ بھی ہو تو یکطرفہ سفر پر 84 ہزار ڈالر لاگت آسکتی ہے۔ یعنی مجموعی طور پر آنے اور جانے کا کرایہ ایک لاکھ 60 ہزار ڈالرز سے زیادہ ہوسکتا ہے۔

اُن کے بقول پائلٹ سمیت عملے کے دو سے تین ارکان کی رہائش اور کھانے کے اخراجات اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لندن کے دو ہوائی اڈے ہیتھرو اور لیوٹن میں اس نوعیت کا طیارہ پارک کرنے اور ہینڈلنگ کی یومیہ فیس بھی ہزاروں ڈالرز میں ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ چاہے طیارہ خالی جائے یا اس میں مسافر ہوں، اس کا فی گھنٹہ کرایہ یہی ہے اور اس میں فیول کی لاگت شامل ہوتی ہے۔

حکومتی ترجمانوں کی وضاحتیں اور 'رسیدوں' کا مطالبہ

مریم نواز کی جانب سے مبینہ طور پر اس دورے کے لیے پنجاب حکومت کا طیارہ استعمال کرنے پر تنقید کرنے والوں میں سابق وفاقی وزیر فواد چوہدری، مفتاح اسماعیل کے ساتھ ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی کے ندیم افضل چن بھی شامل تھے۔

پاکستان تحریکِ انصاف بھی پنجاب حکومت سے مطالبہ کر رہی تھی کہ وہ اس سفر پر آنے والے اخراجات کی رسیدیں فراہم کرے۔

فواد چوہدری نے ایکس پر لکھا کہ 'مریم نواز کا لندن میں بیٹی کی گریجوایشن کا خرچ جو اس 'امیر' قوم نے ادا کیا۔ اس پر ردِعمل دیتے ہوئے پنجاب کی وزیرِ اطلاعات اعظمیٰ بخاری نے لکھا تھا کہ یہ بالکل غلط ہے، مریم نواز نے اپنے دورے کے اخراجات خود برداشت کیے۔

ایسے میں ایک صارف نے سوال اُٹھایا کہ 'اگر تمام اخراجات واقعی اپنی جیب سے ادا کیے گئے ہیں تو اس کا واضح ثبوت بھی عوام کے سامنے آنا چاہیے۔ صرف بیان کافی نہیں، رسیدیں اور ادائیگی کی تفصیلات سامنے رکھیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔'

پیپلز پارٹی کے رہنما ندیم افضل چن نے ایکس پر لکھا تھا 'کسی بھی صوبے کے وزیر اعلیٰ کو سرکاری جہاز ملک سے باہر لے کر جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔'

سابق وفاقی وزیر مفتاح اسماعیل نے ایکس پر لکھا کہ جب شاہد خاقان عباسی وزیر اعظم تھے، تو انھیں اپنی علیل بہن سے ملاقات کے لیے امریکہ جانا پڑا۔ اس دورے کے دوران امریکی نائب صدر مائیک پینس کے ساتھ بھی ان کی پہلے سے طے شدہ ملاقات تھی۔ مفتاح اسماعیل کا کہنا تھا کہ شاہد خاقان عباسی اس دورے کو سرکاری دورے کا درجہ دے سکتے تھے لیکن اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ایک کمرشل ایئر لائن کے ذریعے امریکہ گئے اور نہ صرف اپنے ٹکٹ کی قیمت ادا کی بلکہ اپنے ساتھ سفر کرنے والے چیف سکیورٹی آفیسر کے ٹکٹ کے اخراجات بھی خود برداشت کیے۔

اس تنقید کا جواب دیتے ہوئے اعظمیٰ بخاری کا ایکس پر اپنے بیان میں کہنا تھا کہ وزیر اعلی مریم نواز شریف نے لندن روانگی سے قبل ہی واضح ہدایت کر دی تھی کہ اپنے اس دورے کے تمام اخراجات وہ خود برداشت کریں گی۔ لیکن لندن سے وطن واپس پہنچنے سے پہلے ہی تنقید کے شوقین طبقے نے بغیر حقائق جانے پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اعظمیٰ بخاری کا کہنا تھا کہ 'وزٹ ختم ہوتا تو تخمینہ لگتا اور ادائیگی کی جاتی، سرکاری نظام میں ہر چیز ایک قانونی ضوابط اور طریقہ کار کے تحت چلتی ہے، تخمینہ لگایا جاتا ہے اور چالان کے ذریعے ادائیگی ہوتی ہے یہ کوئی ایزی پیسہ یا جاز کیش نہیں کہ سفر ختم ہونے سے پہلے ہی بٹن دبا کر حساب سامنے رکھ دیا جائے۔'

پنجاب کی سینئر وزیر مریم اورنگزیب نے بھی اس معاملے پر ردِعمل دیتے ہوئے ایکس پر لکھا تھا کہ 'آج کل تکلیف جہاز اور مریم نواز کے بیان کی نہیں ہے تکلیف مریم نواز کی کارکردگی اور بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ہے۔ واضح طور پہ بتادیا گیا ہے کہ لندن دورے کا خرچہ مریم نواز نے خود ادا کرنا ہے۔'

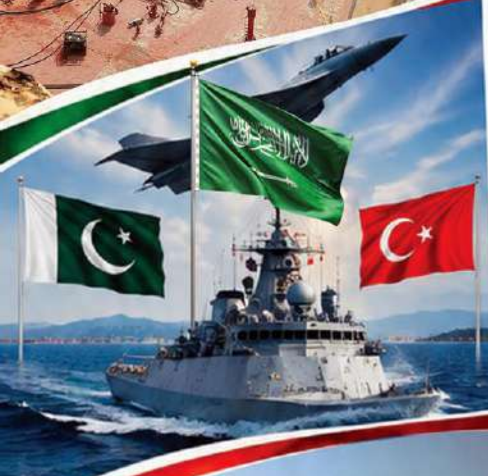

ترکی اور پاکستان کے ساتھ مکہ معاہدے کی حقیقی اہمیت

سعودی عرب دنیا کے سب سے بڑے ثابت شدہ تیل ذخائر میں سے ایک کا مالک ہے۔ مملکت کے پاس اضافی پیداواری صلاحیت بھی موجود ہے، جس سے وہ بہت سے بڑے پیداواری ممالک کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پیداوار بڑھا یا کم کر سکتا ہے

شہزادہ ترکی الفیصل

سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط نے بین الاقوامی سطح پر خاصی توجہ حاصل کی ہے اور اس کی اہمیت اور اتحادی ممالک کے لیے اس کے تزویراتی مضمرات کے بارے میں مختلف آرا کو جنم دیا ہے۔

متعدد مبصرین نے معاہدے کی افادیت یا اس پر عمل درآمد کی ممکنہ صلاحیت پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے اور اسے اس طرح پیش کیا ہے جیسے یہ کسی مخصوص ریاست کے عزائم اور تزویراتی منصوبوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خاص طور پر تشکیل دیا گیا ہو، اور اسی لیے اسے مکمل طور پر مؤثر ہونے سے پہلے ہی کمزور کیا جانا چاہیے۔ بعض دیگر نے اسے فرقہ وارانہ نوعیت کا معاہدہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

ایسی تشریحات ایک بنیادی نکتے کو نظر انداز کرتی ہیں: یہ معاہدہ اپنے مقصد اور کردار کے اعتبار سے دفاعی ہے۔ اجتماعی سلامتی کے ایک انتظام کے طور پر اس کی قدر پر معقول طور پر صرف وہی لوگ سوال اٹھا سکتے ہیں جو ان غیر فرقہ وارانہ ریاستوں کے خلاف معاندانہ عزائم رکھتے ہوں یا مستقبل میں انہیں نشانہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

فوری سکیورٹی اور عسکری خطرات کے ساتھ ساتھ مستقبل میں متوقع خطرات سے نمٹنے کے لیے اتحاد قائم کرنا بین الاقوامی قانون کے تحت ریاستوں کا جائز حق ہے اور بین الاقوامی سفارت کاری کی تاریخ میں ایک مسلمہ روایت بھی۔

ایسے اتحاد ذمہ دار ریاستوں کے درمیان قائم کیے جاتے ہیں جو اپنی قومی سلامتی اور استحکام کو درپیش خطرات کی نوعیت اور دائرۂ کار، نیز اپنے وسیع تر جغرافیائی و تزویراتی ماحول کی سلامتی اور استحکام کے بارے میں مشترکہ تزویراتی اندازہ رکھتی ہوں۔

مکہ معاہدے کے تحت اتحادی بننے والی ریاستیں بھی اسی اندازۂ فکر میں شریک ہیں، خاص طور پر خطے میں جاری جنگوں، ان تنازعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے متوقع تزویراتی خلا، طاقت کے توازن میں بگاڑ اور اس علاقائی نظام کے زوال کے تناظر میں جو گذشتہ کئی دہائیوں سے قائم تھا۔ اس نظام کو تاریخی طور پر بین الاقوامی تحفظ حاصل رہا ہے کیونکہ اس خطے کی سلامتی اور استحکام عالمی اور تزویراتی اعتبار سے نہایت اہم ہیں، نہ صرف اس کی جغرافیائی معاشی اور جغرافیائی مالی اہمیت کے باعث بلکہ اس کے مرکزی محل وقوع اور اس کی دیرپا تاریخی اور سیاسی اہمیت کی وجہ سے بھی۔

یہ تینوں ریاستیں نمایاں جغرافیائی و تزویراتی اہمیت رکھتی ہیں اور ان کی صلاحیتیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں، جو خطے میں تزویراتی توازن کی بحالی اور جاری تنازعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کسی بھی تزویراتی خلا کو پُر کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

اپنے اتحاد کے ذریعے یہ تینوں ممالک ایک بڑی تزویراتی قوت کے طور پر ابھرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو اپنے خلاف یا پورے خطے کے خلاف پیدا ہونے والے خطرات کا مقابلہ کر سکے۔ مزید برآں، یہ اتحاد مستقبل میں دیگر ریاستوں تک بھی وسعت اختیار کر سکتا ہے جو ان ہی تزویراتی اہداف میں شریک ہوں۔

بعض تشریحات نے، جو معاہدے کے تزویراتی پہلوؤں کو مکمل طور پر سمجھنے میں ناکام رہی ہیں، اس اتحاد میں سعودی عرب کی اہمیت اور کردار کو صرف اس کی مالی صلاحیت اور اپنی سلامتی یقینی بنانے کی کوششوں سے جوڑ کر دیکھا ہے اور اسے ان ہی اہم پہلوؤں تک محدود کر دیا ہے۔ تاہم، سعودی عرب کی جغرافیائی و تزویراتی اہمیت اتحاد کے دیگر فریقوں سے کسی طور کم نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہو۔

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سعودی عرب ہمیشہ اپنی سلامتی اور استحکام کے تحفظ کے لیے ایک قابل اعتماد شراکت دار کی تلاش میں رہی ہے اور اس رجحان کو سعودی عرب کے لیے منفرد قرار دیا ہے۔ حقیقت میں، تمام ریاستیں اسی مقصد کے لیے یہ ہی کوشش کرتی ہیں۔ تاہم بین الاقوامی جغرافیائی سیاسی نقشے پر سعودی عرب کے مقام نے اسے ان ریاستوں کے لیے کشش کا مرکز بنا دیا ہے جو اس کی حمایت اور تائید حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

سعودی عرب کی جغرافیائی و تزویراتی اہمیت کئی عوامل سے جنم لیتی ہے: اس کا تزویراتی محل وقوع، مذہبی مرکزیت، تیل کے وسیع ذخائر، مالی قوت، اس کی پالیسیوں کا اعتدال اور عملیت پسندی، سفارتی کردار، وسیع بین الاقوامی تعلقات اور عسکری صلاحیتیں۔

(باقی صفحہ نمبر 10 پر)

وہ چھ ستمبر سنہ 1965 کا دن تھا، وقت دوپہر چار بجے اور مقام پاکستان کا پشاور ایئربیس۔

سکواڈرن لیڈر سجاد 'نوزی' حیدر پٹھان کوٹ پر فضائی حملہ کرنے کے لیے اپنے ساتھی پائلٹوں کو بریف کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے ایک بالٹی میں تازہ پانی طلب کیا اور 4711 نمبر کولون کی بوتل نکال کر اس بالٹی میں انڈیل دی۔ پھر انھوں نے چھوٹے چھوٹے تولیے منگوائے اور انھیں خوشبودار پانی میں ڈبو کر ساتھی پائلٹوں کو پکڑا دیا۔

1965 کی جنگ

جب پاکستانی فضائیہ نے انڈیا کے دس جنگی طیارے تباہ کیے

سجاد حیدر نے اس واقعے سے متعلق بی بی سی کو بتایا: 'میں نے ان سے کہا کہ ہوسکتا ہے یہ آپ کا یک طرفہ مشن ہو اور آپ لوٹ کر واپس ہی نہ آئیں۔ میں چاہتا ہوں جب آپ اپنے خالق سے ملیں تو آپ سے بہترین خوشبو آنی چاہیے۔'

ٹھیک ساڑھے چار بجے آٹھ سیبر جیٹ طیاروں نے پشاور سے ٹیک آف کیا۔ وہ 11000 فٹ کی اونچائی تک گئے اور پھر نیچے غوطہ لگا کر درختوں کی اونچائی کی سطح پر اڑنے لگے۔

وارننگ کو نظر انداز کیا

ادھر انڈین ریاست پنجاب کے پٹھان کوٹ کی ایئربیس پر امرتسر ایئربیس سے سکواڈرن لیڈر رونڈا کی ایک ارجنٹ ٹیلیفون کال آئی۔

انھوں نے ونگ کمانڈر کورین کو بتایا کہ کچھ سیبر جیٹ طیاروں کو ٹیک آف کرنے کے بعد ریڈار کے پردے سے غائب ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے، جو کسی حملے کا اشارہ ہوسکتا ہے۔ اس پر کورین نے سٹیشن کمانڈر گروپ کیپٹن روشن سوری کو اس خدشے سے آگاہ کیا اور ان سے کیپ یعنی کامبیٹ ایئر پٹرول کی اجازت مانگی۔ سوری سے یہاں ایک بڑی غلطی ہوئی۔ انھوں نے کیپ کی اجازت نہیں دی۔

مگ 21 شعلوں میں

ٹھیک پانچ بج کر پانچ منٹ پر پاکستانی سیبر جنگی طیارے پٹھان کوٹ کے اوپر پہنچے۔ اوپر سے انھوں نے دیکھا کہ ایئربیس پر بہت بڑی تعداد میں انڈین جنگی طیارے کھڑے ہیں۔ نوزی حیدر نے 500 میٹر کی اونچائی سے بہت سنبھل کر غوطہ لگایا اور نیچے کھڑے طیارے پر نشانہ لگا کر فکسڈ گن سے حملہ کیا۔ پھر انھیں بالکل نئے آئے دو مگ 21 دکھائی دیے۔ اس وقت ان میں ایندھن بھرا جا رہا تھا۔ انھوں نے ان پر بھی نشانہ لگا کر حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں نئے طیارے شعلوں میں لپٹ گئے۔

جہاز سے نیچے کودے

اس گروپ کے باقی پائلٹوں نے بھی غوطے لگا کر حملے کیے۔ انھیں صرف دو بار حملہ کرنے کا حکم ملا تھا لیکن بہت طیاروں کو ایک ساتھ دیکھ کر ان کے منھ میں پانی آ گیا اور انھوں نے انڈیا کی اس فضائی بیس پر کئی حملے کیے۔ ان کی مزاحمت کرنے کے لیے ایک بھی انڈین طیارہ اوپر نہیں آیا۔

سب سے اوپر کور دینے والے ونگ کمانڈر تواب نے نیچے کم از کم 14 آگ کے گولے پھیلتے ہوئے دیکھے۔ انڈین ونگ کمانڈر کورین اپنے گھر سے ملحقہ گیراج میں اپنی گاڑی پارک کر رہے تھے کہ انھیں طیارہ شکن توپ کی گرج سنائی دی۔ انھوں نے ایئربیس کی طرف نظر دوڑائی تو دیکھا چار سیبر طیارے نیچے اڑتے ہوئے مشین گن سے گولیاں برسا رہے ہیں اور دو ایف 104 سٹار فائٹر اوپر سے ان کو کور دے رہے ہیں۔ جیسے ہی چار سیبر وہاں سے ہٹے دوسرے چار سیبر طیاروں نے ان کی جگہ لے لی۔ تقریباً اسی وقت جنک کپور اپنے نیٹ کو بلاسٹ پین کے اندر لے جا رہے تھے۔ ایک جونیئر افسر نے چلا کر کہا: 'سر اوپر دیکھیے۔ وہ حملہ کر رہے ہیں۔' اسی دوران ایک سیبر نے مردیشور کے نیٹ کو بھی بلاسٹ پین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اس پر گولیوں کی بوچھار کر دی۔ مردیشور جہاز سے نیچے کود کر بھاگے اور تبھی انھوں نے دیکھا کہ ان کا نیٹ آگ کے شلعوں میں جل کر راکھ ہو رہا ہے۔

کاک پٹ سے چھلانگ

ادھر 3 سکواڈرن کے فلائٹ لیفٹیننٹ ترلوچن سنگھ اپنا مسٹیرئس جہاز بلاسٹ پین میں پارک کر کے نیچے اتر ہی رہے تھے کہ ایک سیبر نے ان کے جہاز پر حملہ کیا۔ انھوں نے دوڑ کر ایک بنکر میں پناہ لے لی۔

ان کے دوسرے نمبر کے فلائنگ افسر رسل موئیس اب بھی ہوائی جہاز کے اندر تھے اور انھوں نے اپنی سیٹ بیلٹ بھی نہیں کھولی تھی۔ نیچے ایئرمین ان کے جہاز کے پہیے کے نیچے لاک لگا ہی رہے تھے کہ گولیوں کا ایک برسٹ ان کی طرف آیا۔ ایئرمین نے رسل کی طرف شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ انھیں لگا کہ رسل نے ہی غلطی سے پین کے اندر گولیاں چلا دی ہیں۔ بڑی مشکل سے رسل نے اپنی سیٹ بیلٹ کا سٹریپ کھولا۔ جب وہ طیارے سے نیچے اترنے لگے تو انھیں معلوم ہوا کہ ایئرمین نے ان کے طیارے میں سیڑھی ہی نہیں لگائی ہے۔ انھوں نے اپنی جان بچانے کے لیے کاک پٹ سے ہی چھ فٹ نیچے چھلانگ لگائی۔

ایک گڑھے میں چھ پائلٹ

اس وقت پٹھان کوٹ کی بیس کا صرف ایک مسٹیرئس طیارہ ہوا میں تھا، اور اسے فلائنگ افسر مائیک میکموہن اڑا رہے تھے۔ انھوں نے کچھ روز پہلے ہی ایئرفورس جوائن کیا تھا اور وہ ایک تربیتی مشن پر تھے۔ انھیں ریڈیو ٹریفک نے ہدایت دی کہ وہ پٹھان کوٹ سے دور رہیں اور پاکستانی حملہ مکمل ہونے کے بعد ہی نیچے اتریں۔ پاکستانی حملہ آور میکموہن کو نہیں دیکھ پائے۔ وہ بال بال بچے اور بعد میں انڈین فضائیہ کے ایئر مارشل بنے۔ اس وقت پٹھان کوٹ میں تعینات ایئر مارشل راگھویندرن سبرامنیم اپنی سوانح عمری 'پینتھر ریڈ ون' میں لکھتے ہیں: 'ہم تقریباً چھ سات پائلٹ ایک گڑھے میں ایک کے اوپر ایک لیٹے ہوئے تھے۔ سب سے نیچے والا پائلٹ چلّایا: 'میرا بوجھ سے دم گھٹا جا رہا ہے۔' سب سے اوپر والے پائلٹ نے، جس کی پیٹھ گڑھے کے اوپر دکھائی دے رہی تھی، جواب دیا: 'مجھ سے اپنی جگہ بدلو گے؟'

سبرامنیم آگے لکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے چار نیٹ فضا میں بھیج دیے ہوتے تو پاکستانی اتنا نقصان نہ کر پاتے۔ اسی دن پاکستانی طیاروں نے ہلوارا اور آدم پور پر بھی حملہ کیا۔ لیکن وہاں انڈین طیارے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ پاکستانی طیارے ان دونوں ایئربیس کے اوپر تک سے بھی نہیں گزر پائے۔ سارے سیبر کامیاب حملہ کر کے محفوظ نکل گئے۔ اس حملے میں انڈیا کے دس طیارے زمین پر ہی تباہ کر دیے گئے۔

اس حملے میں شامل ہر ایک پاکستانی پائلٹ کو 'ستارۂ جرات' جیسے اعزاز سے نوازا گیا۔ ان آٹھ پائلٹوں میں مشہور گلوکار عدنان سمیع کے والد فلائنگ افسر ارشد سمیع بھی شامل تھے۔

پی ٹی آئی اور جے یو آئی میں گرمجوشی فی الحال پارلیمان تک محدود

قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اپوزیشن میں موجود دونوں جماعتیں قانون سازی اور دیگر پارلیمانی معاملات پر مشترکہ حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے رابطے میں ہیں

پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) اور جمعیت علمائے اسلام (جے یو آئی) کے درمیان گذشتہ برسوں کے شدید سیاسی اختلافات کے باوجود قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بعض معاملات پر تعاون بڑھ رہا ہے، تاہم دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے مطابق فی الحال یہ تعاون پارلیمانی امور تک محدود ہے۔

قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اپوزیشن میں موجود دونوں جماعتیں قانون سازی اور دیگر پارلیمانی معاملات پر مشترکہ حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے رابطے میں ہیں۔ جے یو آئی ف کے صوبائی ترجمان عبدالجلیل جان کے مطابق اپوزیشن جماعتوں کا پارلیمان میں مشترکہ مؤقف حکومت کے مقابلے میں ان کے کردار کو مؤثر بنا سکتا ہے، جبکہ پی ٹی آئی رہنما شوکت یوسفزئی کا کہنا ہے کہ ان کی جماعت اس تعاون کو مستقبل میں وسیع تر اپوزیشن اتحاد کی طرف لے جانے کی خواہش رکھتی ہے۔

تعاون کی بنیاد کیا ہے؟

عبدالجلیل جان کے مطابق پی ٹی آئی اور جے یو آئی کے درمیان موجودہ تعاون کی بنیادی وجہ دونوں جماعتوں کا اپوزیشن میں ہونا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی بل یا پارلیمانی معاملے پر اپوزیشن جماعتیں ایک مؤقف اختیار کریں تو وہ حکومت کے سامنے زیادہ مؤثر انداز میں اپنا موقف پیش کرسکتی ہیں۔

ان کے بقول جمعیت علمائے اسلام کے لیے یہ تعاون کسی ایک جماعت کے ساتھ مستقل سیاسی صف بندی سے زیادہ پارلیمان میں مشترکہ کردار ادا کرنے سے متعلق ہے۔

شوکت یوسفزئی بھی کہتے ہیں کہ فی الحال دونوں جماعتوں کے درمیان 'انڈرسٹینڈنگ' پارلیمان کی حد تک ہے اور کسی بل یا معاملے پر اپوزیشن کو متحد ہوکر فیصلہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کے مطابق پی ٹی آئی کی کوشش ہے کہ اپوزیشن جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر آئیں اور پارلیمان سے باہر بھی حکومت کے خلاف مشترکہ سیاسی لائحہ عمل تشکیل پائے۔

تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بارے میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔

ماضی کے اختلافات کہاں گئے؟

پی ٹی آئی اور جے یو آئی کے درمیان موجودہ رابطے اس لیے بھی اہم سمجھے جارہے ہیں کیوں کہ دونوں جماعتیں گذشتہ ایک دہائی کے دوران کئی سیاسی معاملات پر ایک دوسرے کی سخت ناقد رہی ہیں۔

جے یو آئی کے ترجمان عبدالجلیل جان ماضی کی اس سیاسی کشیدگی کو تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دونوں جماعتوں کے درمیان اختلافات صرف قیادت تک محدود نہیں رہے بلکہ کارکنوں کی سطح تک بھی ان کے اثرات موجود تھے۔

انڈیپنڈنٹ اردو سے بات کرتے ہوئے عبدالجلیل جان کا کہنا تھا کہ اب دونوں جانب سے رابطے بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے اور مختلف ملاقاتوں میں اس معاملے پر بات ہوئی ہے۔

شوکت یوسفزئی بھی ماضی کے اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دونوں جماعتوں کے درمیان پہلے شدید سیاسی بیان بازی ہوتی رہی ہے، تاہم اب رابطوں میں بہتری آئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ماضی کی تلخیوں کو ختم کرنے میں وقت لگے گا، لیکن دونوں جماعتوں کے درمیان ملاقاتوں اور بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے۔

کیا یہ سیاسی اتحاد بن سکتا ہے؟

موجودہ رابطوں میں سب سے اہم سوال یہی ہے کہ کیا پارلیمان میں ہونے والا تعاون مستقبل میں کسی باقاعدہ سیاسی اتحاد یا مشترکہ تحریک کی شکل اختیار کرسکتا ہے؟

عبدالجلیل جان کے مطابق فی الحال جے یو آئی کی سطح پر ایسا کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور موجودہ تعاون کو سیاسی اتحاد کہنا درست نہیں ہوگا۔

دوسری جانب شوکت یوسفزئی کہتے ہیں کہ مستقبل میں کسی مشترکہ سیاسی جدوجہد کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے مطابق اگر دونوں جماعتوں کے درمیان موجودہ رابطے آگے بڑھتے ہیں اور مشترکہ اپوزیشن تشکیل پاتی ہے تو ممکن ہے کہ پارلیمان سے باہر بھی تعاون کی صورت نکلے، تاہم اس بارے میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔

وہ کہتے ہیں کہ 'سیاست میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ ممکن نہ ہو، لیکن اس وقت دونوں جماعتوں کی بات چیت کا دائرہ پارلیمانی تعاون تک ہی ہے۔

خیبر پختونخوا میں اس کا کیا اثر ہوگا؟

پی ٹی آئی اور جے یو آئی دونوں کی خیبر پختونخوا میں اہم سیاسی موجودگی ہے، اس لیے وفاقی پارلیمان میں ان کے درمیان بڑھتے رابطوں کو صوبے کی سیاست کے تناظر میں بھی دیکھا جارہا ہے۔

تاہم موجودہ صورتحال میں دونوں جماعتوں کی جانب سے خیبر پختونخوا میں کسی مشترکہ سیاسی یا انتخابی حکمت عملی کا اعلان سامنے نہیں آیا۔

فی الحال دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کی گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تعاون کا آغاز پارلیمانی معاملات سے ہوا ہے۔ اسے وسیع تر سیاسی اتحاد یا انتخابی مفاہمت میں تبدیل کرنے کا فیصلہ ابھی باقی ہے۔

یوں پی ٹی آئی اور جے یو آئی کے درمیان برسوں کی سیاسی کشیدگی کے بعد رابطے ضرور بڑھے ہیں، لیکن ان رابطوں کی آئندہ سمت کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ دونوں جماعتیں پارلیمان سے باہر مشترکہ سیاسی معاملات پر کس حد تک ایک دوسرے کے ساتھ چلنے پر اتفاق کرتی ہیں۔

ڈرونز کے خلاف چین اور ترکی کی مدد سے تیار کیا گیا پاکستانی فضائیہ کا نیا دفاعی سسٹم کیا ہے؟

ڈرونز اور لوئٹرنگ میونیشنز کے بڑھتے ہوئے استعمال نے دنیا بھر کی افواج کے لیے فضائی دفاع کو مزید چیلنجنگ بنا دیا ہے اور یہ سوال اہم ہو چکا ہے کہ آخر کم قیمت اور چھوٹے ڈرونز کے بڑے پیمانے پر حملوں کو کیسے روکا جائے؟

بظاہر اسی چیلنج کے جواب میں پاکستان ایئر فورس (پی اے ایف) نے اپنے مختصر فاصلے کے فضائی دفاع (SHORAD) کو مضبوط کرنے کے لیے چینی اور ترک ساختہ نظاموں پر مشتمل ایک تہہ در تہہ دفاعی ڈھانچہ متعارف کرایا ہے، جس میں میزائل، خودکار توپ اور کاؤنٹر ڈرون ٹیکنالوجی کو یکجا کیا گیا ہے۔ پی اے ایف کی جانب سے سات ستمبر کو جاری کی گئی ویڈیو میں تین مختلف فضائی دفاعی سسٹم دکھائی دیتے ہیں: چین میں تیار کردہ ایچ کیو-17 اے ای مختصر فاصلے کا سطح سے فضا میں مار کرنے والا میزائل سسٹم، ترکی کا ایسیلسان کورکُٹ 35 ملی میٹر خودکار فضائی دفاعی توپ سسٹم اور ایسیلسان ساہن 40 ملی میٹر کاؤنٹر ڈرون سسٹم۔

یہ سسٹم مل کر ایک مربوط دفاعی حصار تشکیل دیتے ہیں، جس کا مقصد اہم فوجی تنصیبات کو ڈرونز، لوئٹرنگ میونیشنز، ہیلی کاپٹرز، کروز میزائلز اور کم بلندی پر پرواز کرنے والے طیاروں سمیت مختلف فضائی خطرات سے تحفظ فراہم کرنا ہے۔

یہ سسٹم کیسے کام کرتا ہے؟

تین تہوں والے مختصر فاصلے کے فضائی دفاع کا بنیادی تصور یہ ہے کہ آنے والے خطرے سے نمٹنے کے لیے ایک ہی ہتھیار پر انحصار کرنے کے بجائے مختلف فاصلے پر مختلف دفاعی سسٹم استعمال کیے جائیں۔ اس طرح کسی فضائی ہدف کو اپنے مطلوبہ ہدف تک پہنچنے سے پہلے تلاش کرنے، اس کا سراغ لگانے اور اسے تباہ کرنے کے متعدد مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

دفاعی تجزیہ کار فاروق چوہدری کے مطابق اوپن سورس معلومات کی بنیاد پر دستیاب شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ پی اے ایف نے ڈرونز اور دیگر کم بلندی پر پرواز کرنے والے فضائی خطرات سے نمٹنے کے لیے توپوں پر مبنی دفاع کی متعدد تہوں کو چینی ساختہ ایچ کیو-17 اے ای میزائل نظام کے ساتھ جوڑنے کی حکمتِ عملی اختیار کی ہے۔

ان کے مطابق ڈرونز کے خلاف استعمال ہونے والے اس دفاعی ڈھانچے میں توپوں پر مبنی دفاع کی تین مختلف تہیں شامل ہیں۔

ساہن 40 ملی میٹر مختصر فاصلے پر، تقریباً 700 میٹر تک، چھوٹے ڈرونز کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے

کورکُٹ 35 ملی میٹر کی مؤثر رینج تقریباً چار کلومیٹر تک ہے

76 ملی میٹر ایل ڈی-76 تقریباً 10 کلومیٹر تک کی رینج کے ساتھ اس توپوں پر مبنی دفاع کی ایک مزید بیرونی تہہ فراہم کر سکتا ہے۔

تاہم فاروق کے مطابق پی اے ایف کی جانب سے جاری کردہ مذکورہ ویڈیو میں ایل ڈی-76 باضابطہ طور پر نہیں دکھایا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ تاہم چند ہفتے قبل پی اے ایف کی ایک سرکاری شیلڈ کی تصویر سامنے آئی تھی جس پر ایل ڈی-76 کے ساتھ پاکستان اور چین کے پرچم دکھائی دے رہے تھے، جس کی بنیاد پر وہ سمجھتے ہیں کہ شاید مستقبل میں اس سسٹم کا آرڈر دیا جا سکتا ہے۔

ان کے مطابق ان توپوں پر مبنی نظاموں کو چینی ساختہ ایچ کیو-17 اے ای میزائل پر مبنی مختصر فاصلے کے فضائی دفاعی نظام کی مدد حاصل ہے، جو ڈرونز کے خلاف تقریباً 15 کلومیٹر تک مؤثر ہے اور مختلف ایسے فضائی ہتھیاروں کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جنھیں توپوں کے ذریعے روکنا ممکن نہیں ہوتا۔

پہلی دفاعی تہہ: چینی ساختہ ایچ کیو-17 اے ای

بیرونی دفاعی تہہ ایچ کیو-17 اے ای فراہم کرتا ہے، جو چین میں تیار کیا گیا ایک متحرک سطح سے فضا میں مار کرنے والا مختصر فاصلے کا میزائل سسٹم ہے۔

اسے طیاروں، ہیلی کاپٹروں، ڈرونز، کروز میزائلز اور دیگر فضائی اہداف کے خلاف استعمال کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس کی موبائل نوعیت اسے مختلف مقامات پر تعینات کرنے کی سہولت دیتی ہے۔

اس دفاعی ڈھانچے میں ایچ کیو-17 اے ای نسبتاً زیادہ فاصلے پر آنے والے فضائی خطرات کو نشانہ بنا کر محفوظ فوجی تنصیبات کے لیے دفاع کی پہلی لائن کے طور پر کام کرتا ہے۔

ترک ساختہ کورکُٹ: توپوں پر مبنی دفاع

دوسری دفاعی تہہ کورکُٹ 35 ملی میٹر خودکار فضائی دفاعی توپ کے نظام پر مشتمل ہے، جسے ترکی کی دفاعی کمپنی ایسیلسان نے تیار کیا ہے۔

ٹریک شدہ پلیٹ فارم پر نصب اس نظام میں دو 35 ملی میٹر خودکار توپیں شامل ہیں۔ کورکُٹ قابلِ پروگرام فضائی دھماکا خیز گولہ بارود استعمال کرتا ہے، جو فضا میں پھٹ کر ٹکڑوں کا ایک ایسا بادل پیدا کرتا ہے جو ڈرونز، فضا میں منڈلا کر حملہ کرنے والے ہتھیاروں اور دیگر کم بلندی پر پرواز کرنے والے اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

یہ نظام خاص طور پر بڑے پیمانے پر ہونے والے ڈرون حملوں کے خلاف مؤثر سمجھا جاتا ہے اور نسبتاً کم قیمت والے فضائی خطرات کے خلاف مہنگے میزائل استعمال کرنے کے مقابلے میں زیادہ کم خرچ متبادل فراہم کرتا ہے۔

آخری دفاعی حصار: ترک ساختہ ساہن

سب سے اندرونی دفاعی تہہ ساہن 40 ملی میٹر کاؤنٹر ڈرون نظام پر مشتمل ہے۔

اسے خصوصی طور پر چھوٹے اور انتہائی چھوٹے بغیر پائلٹ فضائی طیاروں کے خلاف کارروائی کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

ساہن سسٹم ریڈار، الیکٹرو آپٹیکل سینسرز اور خودکار فائر کنٹرول نظام سے لیس ہے اور ہدف کے قریب پہنچ کر فضا میں دھماکا کرنے والے 40 ملی میٹر ایئر برسٹ گرینیڈز استعمال کرتا ہے۔

اہم تنصیبات کے گرد آخری دفاعی حصار کے طور پر کام کرتے ہوئے یہ نظام ان چھوٹے فضائی خطرات کو ختم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے جو دفاع کی پہلی دو تہوں سے بچ نکلیں۔

پی اے ایف کی بدلتی حکمتِ عملی

دفاعی تجزیہ کار فاروق چوہدری کے مطابق 2025 تک پی اے ایف کی توجہ روایتی طور پر فضائی دفاع کے لیے اپنے لڑاکا طیاروں اور فضائی صلاحیتوں پر رہی ہے۔

ان کے مطابق ڈرونز اور دیگر فضائی ہتھیاروں سے لاحق خطرے کے باعث اب پی اے ایف کو اپنی حکمتِ عملی میں تبدیلی لانا پڑی ہے اور وہ زمینی فضائی دفاع میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کر رہی ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ پی اے ایف کی جانب سے حال ہی میں دکھائے گئے تین مختصر فاصلے کے فضائی دفاعی (SHORAD) نظام اسی وسیع تر حکمتِ عملی کا حصہ ہیں، جس کے تحت پی اے ایف ڈرونز کے خلاف استعمال کے لیے مختصر فاصلے کے فضائی دفاعی نظام شامل کرنے کو ترجیح دے رہی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 13 پر)

ماہنامہ سباء بیورو کراچی

مکہ معاہدہ کیا مغربی ایشیا میں نئے علاقائی نظام کی پیش رفت؟

اس معاملے پر صرف اسرائیل ہی پریشان ہے، جس نے غلبے اور بالادستی کی سیاست کی پیروی کی ہے اور غزہ، مغربی کنارے، شام کی گولان کی پہاڑیوں اور یہاں تک کہ جنوبی لبنان تک اپنے علاقے کو وسعت دینے کے عزائم بھی رکھتا ہے

اعزاز احمد چوہدری

پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے درمیان 7 اگست کو طے پانے والے 'مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے' کی نظریاتی بنیاد دو اصولوں پر استوار ہے: امن، استحکام اور خوشحال مستقبل کے لیے حالات سازگار بنانے کی خاطر 'اجتماعی تحفظ'؛ اور جارحیت کے کسی بھی اقدام کے خلاف بچاؤ کے لیے 'اجتماعی ڈیٹرنس (جارحیت روکنے کی مشترکہ صلاحیت)'۔

ان دو اصولوں پر عمل درآمد کے لیے، معاہدے کے تینوں فریقین نے آپس میں 'دفاعی تعاون کے تمام پہلوؤں' کو وسعت دینے پر اتفاق کیا۔ معاہدے کی تفصیلات فراہم نہیں کی گئی ہیں، سوائے اس شق کے کہ ان میں سے کسی ایک کے خلاف جارحیت کو تینوں کے خلاف جارحیت تصور کیا جائے گا۔

اس معاہدے کے دائرہ کار کے حوالے سے کئی سوالات سامنے آئے ہیں۔ کیا اس معاہدے کا ہدف کوئی خاص ملک ہے؟ معاہدہ کرنے والے ممالک نے واضح کیا ہے کہ یہ ایک دفاعی معاہدہ ہے اور اس کا مقصد ان تینوں ممالک میں سے کسی کے خلاف جارحیت کی سازش کرنے والے کو باز رکھنا ہے۔

جارحیت کی تعریف کیا ہوگی؟ موجودہ بحث و مباحثے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تناظر میں جارحیت کا مطلب مسلح طاقت کے استعمال کے ذریعے کسی ملک کی علاقائی سالمیت کی خلاف ورزی ہے۔ کیا یہ خطے پر غلبہ حاصل کرنے کا کوئی نیا ذریعہ ہے؟ چونکہ یہ معاہدہ اجتماعی تحفظ پر مبنی ہے، اس لیے اس کی ساخت بالادستی قائم کرنے والی نہیں ہے۔ درحقیقت، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ کسی ایک ملک کو مغربی ایشیا پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے۔ اس لحاظ سے، مکہ معاہدہ مغرب کے بالادستی اور غلبے کے تصور کی نفی کرتا ہے۔

چار دہائیوں سے زائد عرصے سے، امریکہ اس خطے میں سب سے زیادہ غالب قوت رہا ہے۔ حالیہ امریکہ-ایران جنگ کے بعد، سعودی عرب اور خلیج کی دیگر ریاستوں کو عسکری تحفظ فراہم کرنے کی امریکی صلاحیت اور ساکھ پر سوالات اٹھے ہیں۔ سعودی عرب کچھ عرصے سے متبادل انتظامات کی تلاش میں تھا۔ اس نے 2023 میں چین کی ثالثی کے ذریعے ایران کے ساتھ تعلقات معمول پر لائے، ابراہیمی معاہدے' پر دستخط کرنے سے انکار کیا اور 17 ستمبر 2025 کو پاکستان کے ساتھ ایک سٹریٹجک باہمی دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔ پاکستان سعودی عرب کے لیے ترجیحی انتخاب اس لیے بنا کیونکہ پاکستان نے مئی 2025 میں اپنے سے کہیں زیادہ بڑے اور مخالف پڑوسی، انڈیا کے خلاف اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت کا عملی مظاہرہ کیا تھا۔ مکہ معاہدہ، ترکی کی شمولیت کے ساتھ پاک-سعودی معاہدے کا ہی ایک توسیعی ورژن ہے۔

اجتماعی سلامتی

ان تینوں ممالک نے اجتماعی سلامتی کے اصول کا انتخاب کیوں کیا؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں مختصر طور پر حالیہ تاریخ کا جائزہ لینا ہوگا۔ جب انیسویں صدی کی طاقت کے توازن کی سیاست ناکام ہوگئی، تو دنیا نے لیگ آف نیشنز کے منشور اور بعد ازاں اقوام متحدہ کے چارٹر میں شامل اجتماعی سلامتی کے تصور کو اپنایا۔

تاہم، سوویت یونین کے خاتمے اور امریکہ کے واحد سپر پاور کے طور پر ابھرنے کے بعد، دنیا نے بالادستی اور غلبے کی سیاست کی واپسی دیکھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طاقت کے دیگر مراکز بھی ابھرے، خاص طور پر چین، جس نے غلبے کے اس تصور کو چیلنج کیا۔ مارچ 2013 میں روس کے دورے کے دوران، صدر شی نے ماسکو انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل ریلیشنز سے خطاب

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

کرتے ہوئے بالادستی کے ڈھانچوں کو مسترد کرنے اور اس کی بجائے باہمی مفاد اور ہر ملک کے سماجی نظام اور ترقی کے راستے کے انتخاب کے لیے باہمی احترام پر مبنی بین الاقوامی تعلقات کی ایک نئی قسم استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اسی تصور کی بنیاد پر، صدر شی نے بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو اور بعد ازاں چار دیگر عالمی اقدامات کا آغاز کیا، جن کا مشترکہ مرکزی نکتہ یہ تھا کہ بین الاقوامی تعلقات کو اجتماعی یا ناقابلِ تقسیم سلامتی کے تصور کی سمت میں از سرِ نو تشکیل دیا جائے۔

ایرانی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ اسے مکہ معاہدے سے کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ یہ امریکہ جیسے بیرونی عناصر کی بجائے خطے کے ممالک کے ذریعے علاقائی سلامتی کے تصور کو تقویت دیتا ہے۔ صدر ٹرمپ نے بھی اس معاہدے کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے بوجھ بانٹنے کا عمل قرار دیا ہے۔ اس معاملے پر صرف اسرائیل ہی پریشان ہے، جس نے غلبے اور بالادستی کی سیاست کی پیروی کی ہے اور غزہ، مغربی کنارے، شام کی گولان کی پہاڑیوں اور یہاں تک کہ جنوبی لبنان تک اپنے علاقے کو وسعت دینے کے عزائم بھی رکھتا ہے۔

مکہ معاہدہ اسرائیل کے لیے ایک واضح پیغام ہے کہ وہ اب اس خطے کا مستقبل کا بالادست طاقتور ملک نہیں بن سکتا۔ چونکہ یہ معاہدہ اجتماعی سلامتی کے تصور پر مبنی ہے، اس لیے ایران اور خطے کے دیگر ممالک کے لیے مناسب وقت پر اس سہ فریقی معاہدے میں شامل ہونا سود مند ثابت ہوگا۔

اجتماعی ڈیٹرنس

جہاں تک مکہ معاہدے کے دوسرے ستون، یعنی 'اجتماعی ڈیٹرنس' کا تعلق ہے، تو اس کا تصور بھی حالیہ تاریخ سے اخذ کیا گیا ہے۔ سرد جنگ کے دوران، ماہرین فکر کو بڑی طاقتوں کے درمیان جوہری کشیدگی میں اضافے پر تشویش لاحق تھی؛ چنانچہ انہوں نے اجتماعی دفاعی توازن کا تصور پیش کرتے ہوئے نشاندہی کی کہ جارحیت کا ارتکاب کرنے سے قبل، جارح ریاست کو جوابی کارروائی کے نتیجے میں اٹھنے والے بھاری نقصانات کو مدِنظر رکھنا چاہیے، جو اس جارحیت سے حاصل ہونے والے ممکنہ فوائد کے مقابلے میں کہیں زیادہ سنگین ہوں گے۔

اتحادوں اور معاہدوں کے ذریعے ہر ملک کی انفرادی دفاعی صلاحیت کو اجتماعی دفاعی توازن کی سطح تک وسعت دی گئی۔ اس طرح، مکہ معاہدے کا اجتماعی ڈیٹرنس کا اصول کسی بھی ممکنہ جارح کے لیے ایک واضح پیغام ہے کہ اس کی جارحیت کے نتیجے میں اسے ناقابلِ قبول جوابی قیمت چکانا پڑ سکتی ہے۔

مکہ معاہدہ نیٹو سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہ کوئی باضابطہ عسکری اتحاد نہیں ہے، اور نہ ہی یہ جارحانہ نوعیت کا معاہدہ ہے۔ یہ کوئی 'مسلم بلاک' بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف خطے کے ممالک ہی شامل ہیں۔ عوامی سطح پر اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ آیا پاکستان کی جوہری چھتری کا دائرہ کار اس معاہدے پر دستخط کرنے والے ممالک تک بھی پھیلے گا یا نہیں۔ پاکستان کی جوہری صلاحیت کا واحد مقصد انڈیا کی جانب سے درپیش وجودی خطرات کو روکنا رہا ہے۔ مکہ معاہدے کے فریقین نے باضابطہ طور پر اس معاہدے کے جوہری پہلو کے بارے میں کوئی بات نہیں کی ہے۔ اس معاملے میں ایک 'تعمیری ابہام' کی فضا قائم ہے، جو بذاتِ خود ایک قسم کا دفاعی توازن یا روک تھام کا ذریعہ ہے۔

چونکہ موجودہ عالمی نظام انتشار کا شکار ہو رہا ہے، اس لیے اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں درج اصولوں کے مطابق اجتماعی سلامتی اور ایک دوسرے کی خود مختاری و علاقائی سالمیت کے باہمی احترام پر مبنی بین الاقوامی تعلقات کو از سرِ نو استوار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ مغربی ایشیا میں بالآخر جو کچھ بھی رونما ہوگا، وہی مستقبل کے عالمی نظام کی ہیئت کا تعین بھی کرے گا۔

مصنف پاکستان کے سابق سیکرٹری خارجہ اور تھنک ٹینک صنوبر انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین ہیں۔ یہ تحریر ان کی رائے پر مبنی ہے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ترکی اور پاکستان کے ساتھ مکہ معاہدے کی حقیقی اہمیت

اپنے اس تزویراتی محلِ وقوع کے ذریعے سعودی عرب عالمی توانائی منڈیوں، بحری سلامتی، خلیج عرب میں طاقت کے توازن، مشرقِ وسطیٰ کے وسیع تر خطے اور بڑی عالمی طاقتوں کے تعلقات پر نمایاں اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ آبنائے ہرمز کی بندش نے مزید واضح کیا کہ بحیرہ احمر پر سعودی عرب کی پوزیشن کس قدر تزویراتی اہمیت رکھتی ہے، اسی طرح اس کی بندرگاہوں اور معاون انفراسٹرکچر کی تیاری بھی نمایاں ہوئی، جو توانائی کی فراہمی کے متبادل راستے اور عالمی سپلائی و تقسیم کے نظام کے لیے ایک اہم لاجسٹک مرکز فراہم کر سکتے ہیں۔

تیل اب بھی سعودی عرب کے اہم ترین تزویراتی اثاثوں میں سے ایک ہے۔ سعودی عرب دنیا کے سب سے بڑے ثابت شدہ تیل ذخائر میں سے ایک کا مالک ہے اور اوپیک میں مستقل طور پر نمایاں پیداواری اور برآمدی ممالک میں شمار ہوتا رہا ہے۔ مملکت کے پاس اضافی پیداواری صلاحیت بھی موجود ہے، جس سے وہ بہت سے بڑے پیداواری ممالک کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پیداوار بڑھا یا کم کر سکتا ہے۔

یہ صلاحیت ریاض کو عالمی تیل کی رسد اور قیمتوں پر غیر معمولی اثر و رسوخ فراہم کرتی ہے۔ سعودی پیداوار سے متعلق فیصلے مہنگائی، نقل و حمل کے اخراجات، حکومتی آمدنی اور ترقی یافتہ و ترقی پذیر دونوں اقسام کے ممالک میں اقتصادی نمو پر دور رس اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔

اسی لیے سعودی عرب محض تیل برآمد کرنے والا ملک نہیں بلکہ عالمی توانائی منڈی کے انتظام میں ایک اہم کردار بھی ادا کرتا ہے۔ آج مملکت ویژن 2030 کے ذریعے اپنی تیل پر مبنی دولت کو پائیدار اقتصادی، تکنیکی اور ادارہ جاتی اثر و رسوخ میں تبدیل کرنے کی کامیابی سے اپنی جغرافیائی سیاسی اہمیت کو مزید مضبوط بنا رہی ہے، جبکہ سرمایہ کاری، سیاحت، تفریح، لاجسٹکس، صنعت، کان کنی، قابلِ تجدید اور جوہری توانائی اور دفاعی پیداوار جیسے اہم شعبوں میں بھی توسیع کر رہی ہے۔

اگر تزویراتی مقام اور تیل کے ذخائر جغرافیائی و تزویراتی اور جغرافیائی سیاسی اہمیت کے بنیادی عوامل ہیں تو مملکت کی مذہبی حیثیت بھی اس سے کسی طور کم نہیں۔ سعودی عرب عالمِ اسلام کے قبلے، یعنی مکہ مکرمہ میں موجود خانہ کعبہ، اور اسلام کے دو مقدس ترین شہروں کا میزبان ہے، جہاں ہر سال لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ کی ادائیگی اور مقدس مقامات کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہ منفرد مذہبی اہمیت مملکت کو ایسی بین الاقوامی حیثیت عطا کرتی ہے جو کسی اور ریاست کے حصے میں نہیں آئی۔

ان مقدس مقامات کی تنظیم، انتظام اور حفاظت کی ذمہ داری، جو ایک طرف سعودی عرب کے لیے اعزاز ہے اور دوسری طرف اس کی ذمہ داری، نے سعودی عرب کو افریقہ، ایشیا، یورپ اور امریکہ میں حکومتوں، مسلم برادریوں اور اسلامی تنظیموں کے ساتھ گہرے اور مضبوط تعلقات قائم کرنے کا موقع دیا ہے۔

سعودی عرب کی مذہبی حیثیت اسے عالمِ اسلام میں ایک مؤثر آواز کا کردار ادا کرنے کے قابل بھی بناتی ہے۔ اس کردار کی بنیاد ایک بڑی عرب طاقت، عالمِ اسلام کے مرکزی ملک، توانائی کے بڑے پیداواری ملک، مضبوط معیشت اور جی 20 سمیت بین الاقوامی و علاقائی تنظیموں میں فعال رکنیت پر ہے۔ بہت کم ممالک ایسے ہیں جن کے پاس اثر و رسوخ، وقار اور تزویراتی اہمیت کے اتنے باہم مربوط ذرائع موجود ہوں۔

اگرچہ مملکت نے ماضی اور حال دونوں میں امریکہ کے ساتھ تزویراتی تعلقات برقرار رکھے ہیں، لیکن اس نے چین، روس، یورپی یونین اور دنیا کے بیشتر ممالک کے ساتھ بھی کثیر جہتی تزویراتی شراکت داریاں قائم کی ہیں، سوائے صیہونی ریاست کے۔

یہ تعلقات مشترکہ مفادات اور باہمی فوائد پر مبنی ہیں اور ان کا مقصد مملکت کی سلامتی، استحکام اور وسیع تر تزویراتی دائرۂ کار کو مضبوط بنانا ہے۔

سعودی عرب اپنے بین الاقوامی تعلقات اور سفارت کاری کو احتیاط، اعتدال اور ساکھ کی بنیاد پر آگے بڑھاتی ہے۔ وہ خطے میں تنازعات اور جنگوں کے حل کے لیے کام کرتی ہے۔ فلسطینی حقوق کے فروغ اور بحرانوں میں گھرے خطے کو طویل تنازعات سے نکالنے کے لیے اپنا سفارتی اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔ اس طرزِ عمل نے سعودی عرب کو ایک ایسے غیر مستحکم بین الاقوامی نظام میں ایک اہم تزویراتی کردار عطا کیا ہے جو تیزی سے کثیر قطبی نظام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سعودی عرب کی تزویراتی اہمیت سے قطع نظر، سعودی عرب اعتماد کے ساتھ مستقبل کی جانب بڑھ رہا ہے اور اپنی اہمیت کے ذرائع کو اپنی قوت کی تعمیر کے لیے بروئے کار لا رہا ہے۔ اتحاد اس کی سلامتی اور استحکام کے حصول میں صرف ایک اضافی قوت ہیں، اور ایک محفوظ و مستحکم خطے میں اس کے بلند اہداف کے کامیاب نفاذ کو یقینی بنانے کا ذریعہ بھی۔

شہزادہ ترکی الفیصل سعودی عرب کی انٹیلی جنس ایجنسی کے سابق ڈائریکٹر جنرل اور سابق سفیر ہیں۔ وہ کنگ فیصل فاؤنڈیشن کے بانی اور ٹرسٹی، اور کنگ فیصل سینٹر فار ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹڈیز کے چیئرمین بھی ہیں۔

نوٹ: یہ تحریر اس سے قبل عرب نیوز پر شائع ہو چکی ہے۔

تنازعات کا سمندر اور کراچی پولیس

پولیس پر انتظامیہ کا اصل رسوخ کم سے کم ہو اور پولیس چیف کی تقرری وتعیناتی اور ہٹانے کا اختیار ایک آزاد کمیشن کے پاس ہونا چاہیے

ثنااللہ عباسی

آج کل کراچی میں ایک نوجوان میر رضا علی کے قتل کا تنازع چل رہا ہے۔ معمہ یہ ہے کہ یہ قتل ہے یا خودکشی؟ مختلف میڈیکل رپورٹس بھی سامنے آ رہی ہیں۔

ایک مبینہ منشیات فروش پنکی کی منشیات کے مقدمے میں رہائی ہوئی ہے۔ اس خاتون کی گرفتاری پر بڑا شور مچا تھا۔ پاکستان میں اب یہ ایک معمول بن چکا ہے کہ پہلے میڈیا میں کیس چلتا ہے اور پھر پولیس اور عدالتوں میں شنوائی ہوتی ہے۔

عوام کی نظر اور کراچی پولیس کے تصور پر دو اہم تحقیقی مکالے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کی تحقیق اور واہ اکیڈیمیا جرنل آف سوشل سائنسز۔ میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عام طور پر شہری صرف اس وجہ سے زیادہ انصاف کی توقع نہیں کرتے کہ پولیس افسر کا تعلق ان ہی کی نسل یا گروہ سے ہے۔

2۔ جن لوگوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پولیس میں ان کے اپنے گروہ کی نمائندگی کم ہے، وہ دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے پولیس افسران کے بارے میں زیادہ خدشات رکھتے ہیں۔ ایسے شہریوں کو خوف ہوتا ہے کہ مختلف نسل یا گروہ سے تعلق رکھنے والا پولیس افسران کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا۔

3۔ جو لوگ زیادہ معاشی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں، وہ پولیس کی کارکردگی کو زیادہ منفی انداز میں دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ پولیس ان کی مدد کرنے میں مؤثر نہیں ہے اور قانون سب کے لیے برابر طریقے سے نافذ نہیں ہوتا۔

اسی وجہ سے ایسے شہری جرائم کا شکار ہونے کے بعد بھی پولیس کو رپورٹ کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ تحقیق میں یہ بھی بتایا گیا کہ معاشی مشکلات اور پولیس پر کم اعتماد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

اگر شہری سمجھتے ہیں کہ پولیس ان کی مدد نہیں کرے گی یا ان کی شکایت پر مناسب کارروائی نہیں ہوگی تو وہ پولیس سے تعاون کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں پولیس پر عوام کا کم اعتماد صرف افواہوں یا ذاتی تجربات کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے معاشی، سماجی اور پولیس کے نظام سے متعلق کئی وجوہات موجود ہیں۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں آبادی زیادہ ہونے کی وجہ سے جرائم کو روکنا پولیس کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ کراچی پولیس جرائم پر قابو پانے اور شہریوں کو بہتر تحفظ فراہم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کر رہی ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق کراچی میں مجموعی طور پر جرائم میں کچھ کمی آئی ہے، لیکن اس کے باوجود شہریوں کو خاص طور پر سٹریٹ کرائم کا سامنا ہے۔

سال 2025 میں کراچی میں سٹریٹ کرائم کے 323,64 واقعات رپورٹ ہوئے، جبکہ 2024 میں یہ تعداد 105,71 تھی۔ اس طرح 2025 میں سٹریٹ کرائم کے واقعات میں 782,6 کی کمی ہوئی۔

سال 2025 میں سٹریٹ کرائم کے دوران 70 افراد جان کھو بیٹھے اور 290 افراد زخمی ہوئے۔ اس کے مقابلے میں 2024 میں 99 افراد مارے گئے اور تقریباً 400 افراد زخمی ہوئے تھے۔

ماہرین کے مطابق اصل تعداد اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بعض شہری جرائم کا شکار ہونے کے بعد پولیس میں رپورٹ درج نہیں کرواتے۔ موبائل فون چھیننے، گاڑیوں کی چوری، ٹریفک حادثات اور ہوائی فائرنگ بھی بہت بڑی مسائل ہیں۔

مالی سال 2026-27 کے لیے سندھ حکومت نے قانون اور امن و امان کے لیے 573.210 ارب روپے مختص کیے ہیں۔ یہ رقم پچھلے سال کے مقابلے میں تقریباً 2.7 فیصد زیادہ ہے۔ اس بجٹ کا ایک بڑا حصہ پولیس کی ضروریات کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

سندھ کے وزیر اعلیٰ کے مطابق اس اضافی بجٹ اور پولیس کی بہتر کارکردگی کی وجہ سے کراچی میں:

گاڑیوں کی چوری اور چھیننے کے واقعات میں 67 فیصد کمی ہوئی۔

پرتشدد سٹریٹ کرائم میں 54 فیصد کمی ہوئی۔

جرائم کی نشاندہی کی شرح 81 فیصد تک پہنچ گئی۔

لیکن کراچی میں جرائم میں کمی کے باوجود ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بہت کم مجرموں کو عدالت سے سزا ملتی ہے۔ تفتیشی مسائل حل کرنے کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو مصنوعی ذہانت، سائبر کرائم، ڈرون کے ذریعے نگرانی اور خصوصی تفتیشی یونٹس کے قیام پر کام کرے گی۔

اگر پولیس اپنی کارکردگی بہتر بنائے، شہریوں کے ساتھ انصاف اور اچھا رویہ اختیار کرے، قابلیت کی مناسب نمائندگی یقینی بنائے اور جرائم کی شکایات پر مؤثر کارروائی کرے تو عوام کا پولیس پر اعتماد بڑھ سکتا ہے۔

عوام کا پولیس پر اعتماد بڑھانا جرائم کی بہتر رپورٹنگ اور جرائم پر قابو پانے کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ کراچی پولیس کو ایک مثالی پولیس ہونا چاہیے کیونکہ یہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے، جس میں تمام قومیں آباد ہیں۔ یہ شہر اور اس یہاں کی پولیس اگر مثالی ثابت ہو تو دوسرے شہر اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ اس پولیس پر انتظامیہ کا اصل رسوخ کم سے کم ہو اور پولیس چیف کی تقرری وتعیناتی اور ہٹانے کا اختیار ایک آزاد کمیشن کے پاس ہونا چاہیے۔

اس اقدام سے پولیس سیاسی طور پر غیر جانب دار ہو سکتی ہے۔ اس کمیشن میں حکومتی، اپوزیشن اور سول سوسائٹی کے لوگ مقرر کیے جا سکتے ہیں۔ دوسرا اقدام کراچی پولیس چیف کو یہ اختیارات دینے چاہیے کہ وہ دفعہ 144 لگا سکے اور جلسے اور جلوسوں کی ضابطہ کاری اور نگرانی کر سکے۔

تیسرا، قانون میں ترمیم کر کے سائنسی شہادت کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ اس شہادت کو زبانی شہادت کے مقابلے میں کم اہمیت دی جائے۔ ان ہی اقدامات کے وجہ سے وہ کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں جن کی نشاندہی بالا تحقیقی مقالات میں کی گئی ہے۔

یہ تحریر مصنف کی راۓ پر مبنی ہے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

انڈیا کا سفارتی امتحان:

'نئی دہلی اعلامیہ' برکس ممالک کے درمیان کن اختلافات کو ظاہر کرتا ہے؟

دنیا کی چند سب سے بااثر شخصیات سنیچر کے روز نئی دہلی میں ایک بڑی گول میز کے گرد جمع ہوئیں۔

انڈیا کے وزیرِ اعظم نریندر مودی نے اعلان کیا کہ ان کے ساتھ موجود رہنماؤں کو 'قواعد کے پیروکار' نہیں بلکہ 'قواعد تشکیل دینے والے' بننا چاہیے۔

ان کی بات سننے والوں میں برکس اتحاد کے رہنما شامل تھے جن میں چین کے صدر شی جن پنگ، روس کے صدر ولادیمیر پوتن، ایران کے صدر مسعود پزشکیان، ابوظہبی کے ولی عہد شیخ خالد بن محمد بن زاید النہیان اور جنوبی افریقہ کے صدر سیرل رامافوسا شامل تھے۔

فطری طور پر یہ رہنما آپس میں اتحادی نہیں سمجھے جاتے۔ ان کے درمیان سرحدی تنازعات اور حتیٰ کہ فوجی تصادم کی تاریخ بھی موجود ہے۔

انڈیا اور چین کے درمیان 2020 میں متنازع سرحد پر ایک مہلک جھڑپ ہوئی تھی۔ ایران اور متحدہ عرب امارات بھی مشرقِ وسطیٰ کی جنگ میں مخالف فریقوں کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ تہران کی جانب سے اپنے ہی برکس رکن ملک کے خلاف میزائل اور ڈرون حملوں نے عالمی معیشتوں پر بھی اثرات مرتب کیے۔

یہ حقیقت کہ انڈیا ان تمام رہنماؤں کو ایک جگہ جمع کرنے میں کامیاب ہوا، اپنے آپ میں ایک بڑی سفارتی کامیابی اور اس کے عالمی اثر و رسوخ کا ثبوت ہے۔ ہفتے کے اختتام پر ہونے والے اجلاس نے ممالک کو ایران کی جنگ کے تناظر میں اپنے تعلقات کا ازسرِ نو جائزہ لینے کا موقع بھی فراہم کیا۔

تاہم نئے عالمی نظام کی شکل کیا ہونی چاہیے، اس پر اتفاق رائے پیدا کرنا اور واضح وٹھوس نتائج حاصل کرنا کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ یہی کشیدگی اس سربراہی اجلاس میں نمایاں رہی۔

مغربی اثر ورسوخ کے مقابل ایک توازن

چین، روس اور ایران جیسے رکن ممالک کے لیے برکس ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے امریکہ اور مغربی یورپ کے اثر ورسوخ کو کم کیا جا سکتا ہے۔

تاہم انڈیا برکس کو مغرب مخالف اتحاد کے طور پر پیش کرنے سے گریز کرتا آیا ہے۔ خود نریندر مودی نے اجلاس کے دوران کہا کہ یہ گروپ 'کسی کے خلاف نہیں ہے۔'

یہ فرق نئی دہلی کے لیے اہم ہے کیونکہ وہ ایسے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھنا چاہتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات رکھتے ہیں۔

انڈیا کے سینیئر سفارت کار اور سابق سفیر انیل ترگنایت کہتے ہیں کہ 'اس گروپ میں کچھ ممالک ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ یہ مغرب مخالف اتحاد بن جائے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔'

ان کے نزدیک انڈیا نے جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ 'جنگ کے دور میں سٹریٹیجک خودمختاری' کو فروغ دینا اور رکن ممالک کے درمیان 'زیادہ تعاون بڑھانے' کی کوشش ہے۔

مشترکہ اعلامیے میں کیا تھا؟

سربراہی اجلاس ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے میں کامیاب رہا۔ تاہم رکن ممالک کے درمیان اختلافات شاید پہلے کبھی اتنے نمایاں نہیں تھے۔

اس سے قبل رواں سال دو مرتبہ برکس مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس بار اتفاقِ رائے حاصل کر لیا گیا لیکن ان معاملات سے گریز کرتے ہوئے جن پر ارکان کے درمیان شدید اختلافات موجود ہیں اور بہت کم عملی حل پیش کیے گئے۔

'نئی دہلی

اعلامیہ' اجلاس کے پہلے دن منظور کیا گیا۔ تاہم سب سے زیادہ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس میں کیا شامل نہیں ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کی جنگ کے حوالے سے اعلامیے میں 'زیادہ سے زیادہ تحمل' اختیار کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ اس میں 'شہری تنصیبات اور پُرامن جوہری مراکز پر حملوں' کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ لیکن کسی فریق کو ذمہ دار قرار نہیں دیا گیا۔

اعلامیے میں دو ریاستی حل کی حمایت دہرائی گئی ہے اور فلسطینیوں کی جبری بے دخلی یا ایسے اقدامات کی مخالفت کی گئی ہے جو 'قبضے کو قانونی حیثیت دینے یا اسے طول دینے' کا باعث بن سکتے ہوں۔ اس موقف کو اقوام متحدہ کی موجودہ قراردادوں کے تناظر میں محتاط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس میں روس اور یوکرین کی جنگ کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا، جو برکس کے سابقہ اعلامیوں کے مقابلے میں ایک مختلف طرزِ عمل ہے۔

تجارت کے معاملے میں بھی اسی طرح کا محتاط رویہ اپنایا گیا ہے۔ اعلامیے میں 'بلا امتیاز بڑھتے ہوئے محصولات' پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور یکطرفہ پابندیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن امریکہ کا نام لینے سے گریز کیا گیا۔ اس سے غالباً واشنگٹن کی ناراضی سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

برکس کے کئی رکن ممالک امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی ناراضی مول لینے سے گریز کرنا چاہتے تھے۔ برکس کی بعض سابقہ تجاویز میں سرحد پار تجارت کے لیے مرکزی بینکوں کی ڈیجیٹل کرنسیوں کو آپس میں مربوط کرنے کا امکان بھی شامل ہے۔ اسے ماضی میں 'امریکہ مخالف' قرار دیا جا چکا ہے۔

انٹرنیشنل کرائسس گروپ کے سینیئر تجزیہ کار پروین دونتھی کہتے ہیں کہ 'مشرقِ وسطیٰ کے تنازعے کی مذمت کے باوجود کسی ملک کا نام نہ لینا، واضح طور پر انڈیا کے اندازِ سفارت کاری کی عکاسی کرتا ہے۔'

انھوں نے مزید کہا کہ 'مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ محصولات کے معاملے کا نسبتاً مضبوط حوالہ دیا گیا، کیونکہ انڈیا شاید اس موضوع پر براہ راست کوئی موقف اختیار نہیں کرنا چاہے گا۔ لیکن ممکن ہے یہ اپنی ناراضی ظاہر کرنے کا ایک موقع بھی رہا ہو۔'

سربراہی اجلاس سے آگے

صدر ٹرمپ کی تجارتی دھمکیوں اور مشرقِ وسطیٰ کی جنگ کے اثرات کے بعد نیا عالمی نظام برکس کے بہت سے رکن ممالک کے لیے ایک اہم ضرورت بن چکا ہے۔

تاہم اس سربراہی اجلاس نے ایک ایسا پلیٹ فارم ضرور فراہم کیا جہاں ایسی ملاقاتیں ممکن ہوئیں جن کا چند ماہ پہلے تصور کرنا بھی مشکل تھا۔

ایران کے صدر مسعود پزشکیان اور ابوظہبی کے ولی عہد شیخ خالد بن محمد بن زاید النہیان نے ایک ساتھ ملاقات کی۔ جنگ کے آغاز کے بعد دونوں ممالک کے درمیان یہ سب سے اعلیٰ سطح کی براہِ راست ملاقات تھی۔

یہ اجلاس تہران کے لیے یہ دکھانے کا بھی موقع تھا کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کے فوجی حملوں اور معاشی دباؤ کے باوجود تنہا نہیں ہے۔

امریکی پابندیوں، واشنگٹن کی 'آپریشن اکنامک آؤٹ کاسٹ' مہم اور ایرانی بندرگاہوں پر بحری ناکہ بندی کے درمیان، پزشکیان نے ملائیشیا، انڈیا اور ایتھوپیا سمیت برکس کے رکن ممالک کے ساتھ مزید گہرے اقتصادی تعلقات پر زور دیا۔

جہاں تک چین کا تعلق ہے، یہ صدر شی جن پنگ کا سات برس بعد دہلی کا پہلا دورہ تھا۔ 2020 کے سرحدی تنازعے کے بعد سے چین اور انڈیا کے درمیان گہرا عدم اعتماد موجود رہا ہے۔ حالیہ عرصے میں کشیدگی میں کچھ کمی آئی ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان تجارت میں بھی بڑا عدم توازن موجود ہے جس میں واضح برتری چین کو حاصل ہے۔

شی جن پنگ اور نریندر مودی کے درمیان دوستانہ مصافحہ ہوا۔ تاہم مودی اپنے گرمجوشانہ اندازِ میں گلے نہیں ملے۔

شی جن پنگ 24 گھنٹے سے بھی کم وقت کے لیے وہاں رہے اور سنیچر کی شب مودی کی جانب سے دیے گئے عشائیے میں بھی شریک نہیں ہوئے۔

اس کے باوجود یہ ان دو ممالک کے لیے ایک اہم موقع تھا جن کے تعلقات طویل عرصے سے پیچیدہ رہے ہیں۔ سرکاری اعلامیوں کے مطابق دونوں رہنماؤں نے تجارتی روابط اور نقل و حمل کے رابطوں کو مضبوط بنانے اور تجارتی رکاوٹوں کو دور کرنے پر اتفاق کیا۔

انیل ترگنایت کا ماننا ہے کہ یہ حالیہ برسوں میں تعلقات میں بتدریج بہتری کا حصہ ہے اور دونوں فریق مل کر کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

تاہم یہ ابھی واضح نہیں کہ آیا اس سے کوئی ٹھوس پیش رفت بھی ہوگی یا نہیں۔

ان کے بقول 'میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اعتماد ضرور کریں، لیکن پہلے تصدیق کر لیں۔'

آگے کیا ہوگا؟

اس سربراہی اجلاس نے ظاہر کیا کہ برکس مغربی ممالک کے زیرِ اثر اداروں سے ہٹ کر اپنے رکن ممالک اور حریف ریاستوں کے لیے بات چیت اور سفارتی روابط کا ایک متبادل پلیٹ فارم فراہم کر سکتا ہے۔

تاہم اصل سوال یہ ہے کہ آگے کیا ہوگا؟

یہ بات واضح ہے کہ برکس کے رکن ممالک پہلے سے زیادہ اس بات پر متفق ہیں کہ عالمی نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

لیکن اس موجودہ نظام کی جگہ کیا اپنایا جائے اور وہاں تک کیسے پہنچا جائے، اس کا جواب دینا کہیں زیادہ مشکل ہے۔

ڈرونز کے خلاف چین اور ترکی کی مدد سے تیار کیا گیا پاکستانی فضائیہ کا نیا دفاعی سسٹم کیا ہے؟

فاروق چوہدری کے مطابق یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پی اے ایف نے مئی 2025 کے بعد ایک سال کے اندر یہ نظام اپنے دفاعی ڈھانچے میں شامل کیے، جو ان کی خریداری اور تعیناتی کی رفتار کو ظاہر کرتا ہے۔

ڈرونز کے خلاف تہہ در تہہ دفاعی نظام

دفاعی تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ بظاہر یہ کثیر تہوں پر مشتمل دفاعی ڈھانچہ حالیہ تنازعات (انڈیا پاکستان، پاکستان افغانستان) سے حاصل ہونے والے اسباق کی عکاسی کرتا ہے، جہاں ڈرونز اور لوئٹرنگ میونیشنز کے بڑھتے ہوئے استعمال نے روایتی فضائی دفاعی نظاموں کی خامیوں کو نمایاں کیا اور ان کے لیے نئے چیلنجز پیدا کیے ہیں۔

اور اسی لیے دنیا بھر کی افواج ایسے تہہ در تہہ فضائی دفاعی نظام اپنانے کی جانب بڑھ رہی ہیں جو مختلف نوعیت کے فضائی خطرات کا مؤثر مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ لاگت اور کارکردگی کے درمیان بہتر توازن بھی برقرار رکھ سکیں۔

ہر آنے والے ڈرون یا فضائی خطرے کے خلاف مہنگے میزائل استعمال کرنے کے بجائے، کثیر تہوں والے دفاعی نظام میزائل، فضائی دفاعی توپوں اور کاؤنٹر ڈرون سسٹمز کو یکجا کرتے ہیں۔

اس حکمتِ عملی میں کسی خطرے کی نوعیت، فاصلے اور سائز کے مطابق میزائل، خودکار توپ یا کاؤنٹر ڈرون نظام کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، جس سے دفاعی وسائل کے زیادہ مؤثر استعمال میں مدد ملتی ہے۔

چینی میزائل اور ترک توپیں

فاروق چوہدری کے مطابق پی اے ایف ترک ساختہ توپوں کی ٹیکنالوجی کو چینی میزائل نظام کے ساتھ ملا کر ایک مربوط بیس ڈیفنس فراہم کرنا چاہتی ہے، جسے وہ سی آئی ڈبلیو ایس (Close-In Weapon System) کہتی ہے۔

ان کے مطابق اس طریقۂ کار کے ذریعے پی اے ایف ڈرونز سے لے کر کم بلندی پر پرواز کرنے والے کروز میزائلز اور توسیع شدہ رینج والے بموں تک مختلف فضائی ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا چاہتی ہے۔

یہ تعاون پاکستان کے چین اور ترکی کے ساتھ بڑھتے ہوئے دفاعی تعلقات کو بھی ظاہر کرتا ہے، جہاں مختلف ذرائع سے حاصل کی گئی ٹیکنالوجی کو ایک مشترکہ دفاعی ضرورت کے لیے یکجا کیا جا رہا ہے۔

کیا یہ ہر فضائی خطرے کے خلاف کافی ہے؟

یہ نظام بنیادی طور پر مختصر فاصلے اور کم بلندی پر آنے والے فضائی خطرات سے نمٹنے کے لیے بنائے گئے ہیں، اس لیے انھیں پاکستان کے لیے مکمل فضائی دفاع کا متبادل نہیں سمجھا جا سکتا۔

فاروق چوہدری کے مطابق یہ نظام براہموس جیسے تیز رفتار کروز میزائل کے خلاف تحفظ فراہم نہیں کرتے اور ایسے خطرات سے نمٹنے کے لیے پی اے ایف کو ممکنہ طور پر کسی دوسری دفاعی صلاحیت پر انحصار کرنا ہوگا۔

نئے SHORAD سسٹم پی اے ایف کے وسیع تر فضائی دفاعی ڈھانچے کا ایک حصہ ہیں، جس میں مختلف فاصلے اور مختلف نوعیت کے فضائی خطرات سے نمٹنے کے لیے الگ الگ صلاحیتیں درکار ہیں۔

پی اے ایف کی جانب سے مختصر فاصلے کے میزائل، خودکار توپوں اور کاؤنٹر ڈرون ٹیکنالوجی کو ایک مربوط دفاعی ڈھانچے میں شامل کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ڈرونز نے فضائی دفاع کی ترجیحات کو کس حد تک تبدیل کیا ہے۔

اب چیلنج صرف تیز رفتار جنگی طیاروں یا کروز میزائلز کو روکنا نہیں بلکہ ایسے چھوٹے اور نسبتاً کم قیمت والے ڈرونز سے بھی نمٹنا ہے جو بڑی تعداد میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

تینوں نوعیت کے نظاموں کو ایک ہی دفاعی ڈھانچے میں شامل کرنے کا مقصد اسی بدلتے ہوئے خطرے کے مطابق دفاعی ردِعمل کو زیادہ متنوع، تہہ در تہہ اور مؤثر بنانا ہے۔

کراچی کے نوجوان تاجر میر رضا کی پراسرار موت کی تحقیقات کے لیے قائم جوڈیشل کمیشن کی کارروائی اتوار کو جاری رہی، جس میں پولیس سرجن ڈاکٹر سمیہ سید کو روسٹرم پر طلب کر کے ان کا بیان قلم بند کیا گیا۔
ڈاکٹر سمیہ نے کمیشن کو بتایا کہ نمونے بھیجنے میں تاخیر کے باعث نتائج 'فالس نیگیٹو' بھی آسکتے ہیں۔

گولی نے پھیپھڑے اور دل کو نقصان پہنچایا۔ انہوں نے بتایا کہ ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں سینے کے جس نشان کو گولی داخل ہونے کا مقام قرار دیا گیا تھا، وہ غلط تھا۔

میرا بیٹا میر رضا کسی صورت خودکشی نہیں کر سکتا: والد

ڈاکٹر سمیہ نے مزید بتایا کہ ابتدائی پوسٹ مارٹم میں ہاتھوں کی جلد خراب

جاتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ فرانزک رپورٹ میں دل میں اینس تھیز یا کی موجودگی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ گولی لگنے کے وقت میر رضا کے جسم میں یہ دوا موجود تھی۔
ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ ڈاکٹر اسامہ نے حتمی رپورٹ میں موت کا وقت پوسٹ مارٹم سے 20 سے 22 گھنٹے قبل قرار دیا تھا۔ کمیشن کے اس سوال پر کہ کیا

مجھے دھمکیاں ملیں، پیچھا کیا گیا: ڈاکٹر سمیہ کا میر رضا کمیشن کو بیان

ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ عوامی سطح پر ان کے خلاف مہم بھی چلائی جا رہی ہے اور انہوں نے اس ضمن میں نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (این سی سی آئی اے) میں شکایت درج کرائی ہے

میر رضا کی موت کا معاملہ گذشتہ کئی ماہ سے زیرِ بحث ہے اور اس کی تحقیقات کے لیے قائم جوڈیشل کمیشن کی سربراہی جسٹس عمر سیال کر رہے ہیں۔ ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ پر خاندان کے اعتراضات کے بعد عدالتی حکم پر قبر کشائی اور دوبارہ پوسٹ مارٹم کرایا گیا تھا۔

میڈیکل بورڈ کی تبدیلی

ڈاکٹر سمیہ نے کمیشن کو بتایا کہ انہوں نے دو اگست کو ایس ایس پی ایسٹ سے گفتگو میں اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا، جس کے بعد تین اگست کو قبر کشائی کی سفارش کرتے ہوئے خط لکھا اور پانچ اگست کو پولیس کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں بھی دوبارہ پوسٹ مارٹم کے لیے کہا۔
کمیشن کے استفسار پر ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ عدالت سیکریٹری صحت یا ڈی جی ہیلتھ سروسز کو ہدایت جاری کرتی ہے جبکہ عدالت براہ راست پولیس سرجن کو بھی ہدایت دے سکتی ہے۔ ان کے مطابق میر رضا کی قبر کشائی کے عدالتی احکامات ملنے کے بعد انہوں نے سیکریٹری صحت اور دیگر متعلقہ حکام کو مطلع کیا تھا۔
ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ سیکریٹری صحت نے اس کے بعد پرانے میڈیکل بورڈ کو بحال کر دیا۔ کمیشن کے یہ پوچھنے پر کہ بورڈ اچانک کیوں تبدیل ہوا۔
ڈاکٹر سمیہ نے کہا کہ 'مجھے وجوہات کا علم نہیں۔' انہوں نے بتایا کہ ڈپٹی سیکریٹری صحت نے زبانی ہدایت دی تھی کہ وہ خود کو میڈیکل بورڈ سے علیحدہ کر لیں، جس پر انہوں نے واضح کیا کہ جوڈیشل مجسٹریٹ کے آرڈر میں ان کا نام شامل ہے۔
ڈاکٹر سمیہ کے مطابق آٹھ اگست کو قبر کشائی کی کارروائی میں صرف پرانی ٹیم موجود تھی، کسی غیر متعلقہ فرد کو اجازت نہیں دی گئی اور میر رضا کی فیملی کو بھی موقع پر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس بارے میں وضاحت دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 'فیملی کے لیے وہاں موجود رہنا بہت پریشان کن ہو سکتا تھا، ہم نہیں چاہتے کہ ان کے پیاروں کی یادیں ایسی ہوں۔'

قبر کشائی کی تفصیلات

پولیس سرجن نے قبر کشائی کی کارروائی سے متعلق کمیشن کو پریزینٹیشن بھی دی۔
ان کے مطابق میر رضا کے سر پر چوٹ کا نشان اور ناک کی ہڈی ٹوٹی ہوئی پائی گئی جبکہ سر کے عقبی حصے پر کسی سخت چیز کے لگنے کا نشان بھی موجود تھا۔
ڈاکٹر سمیہ نے کمیشن کو بتایا کہ یہ چوٹ زندہ حالت میں لگی تھی اور چہرے کی ڈی کمپوزیشن جسم کے باقی حصوں جیسی نہیں تھی۔ انہوں نے واضح کیا کہ پوسٹ مارٹم کارروائی میں صرف وہی معلومات شامل کی گئیں جن پر بورڈ کے تمام ارکان کی متفقہ رائے تھی۔
ڈاکٹر سمیہ کے مطابق میر رضا کو لگنے والی گولی سے پسلیاں فریکچر ہوئیں اور

ہونے کو ڈی کمپوزیشن کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا، تاہم ان کے مطابق میر رضا کے ہاتھوں اور پیروں پر دراصل کیمیکل سے جلنے کے نشانات تھے، جس کی تصدیق کے لیے چار ماہرینِ جلد سے مشاورت کی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ ہائیڈروکلورک ایسڈ پولیسٹر کو کاربن میں تبدیل کر دیتا ہے اور میر

رضا کی شرٹ پر کاربنائزیشن کے آثار موجود تھے۔
خون کی مقدار سے متعلق سوال پر ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ انسانی جسم میں عمومی طور پر پانچ سے چھ لیٹر خون ہوتا ہے، جبکہ کرائم سین پر خون کم مقدار میں ملا حالانکہ دل پر لگنے والے زخم کے پیشِ نظر خون کی مقدار زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ ان کے مطابق میر رضا کی پشت پر ڈی کمپوزیشن کا کوئی نشان نہیں تھا۔

موت کے وقت پر بحث

کارروائی کے دوران کمیشن نے ریمارکس دیے کہ 'سمجھ نہیں آ رہا اتنے تنازعات کیوں ہیں جب سب کچھ واضح ہے۔' ڈاکٹر سمیہ نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کیمیکل ٹارچر کا کیس دیکھا ہے۔
انہوں نے بتایا کہ لوکل اینس تھیز یا سے احساس ختم ہو جاتا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے میں دو سے نو گھنٹے لگتے ہیں جبکہ زیادہ مقدار میں نس کے ذریعے دیے جانے کی صورت میں یہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔
ڈاکٹر سمیہ کے مطابق کیس کے میڈیکولیگل افسر ڈاکٹر اسامہ نے اینس تھیز یا کی ہاف لائف کی مدت غلط بتائی تھی کیونکہ دوا کی ہاف لائف زندگی کے ساتھ ہی رک

اینس تھیز یا سپرے کے ذریعے بھی دیا جا سکتا ہے۔
ڈاکٹر سمیہ نے کہا کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ممکن ہے رپورٹ میں اس کا سراغ نہ ملتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فرانزک ٹیسٹ میں دوا کی مقدار کا تعین نہیں کیا جاتا۔ کمیشن نے یہ بھی ریمارکس دیے کہ نسخے کے بغیر اینس تھیز یا کا حصول عمومی طور پر آسان نہیں ہونا چاہیے، جس پر ڈاکٹر سمیہ نے اتفاق کیا۔ انہوں نے کمیشن کو بتایا کہ میڈیکل بورڈ نے اپنی رپورٹ میں خودکشی کے امکان کو خارج از امکان قرار دیا تھا کیونکہ شواہد اس نکتے سے مطابقت نہیں رکھتے۔

دھمکیوں کا الزام

کارروائی کے دوران کمیشن نے ڈاکٹر سمیہ سے دریافت کیا کہ ان کا افسرِ بالا کون ہے، جس پر انہوں نے بتایا کہ سیکریٹری صحت ان کے باس ہیں۔
ڈاکٹر سمیہ نے کمیشن کو بتایا کہ 'اس کیس کے لیے میں نے اپنا کیریئر داؤ پر لگایا ہے۔' ان کا کہنا تھا کہ دو روز تک موٹر سائیکل پر ان کا پیچھا کیا گیا اور انہیں دھمکیاں بھی دی گئیں، جن میں کہا گیا کہ اگر رپورٹ میں خودکشی درج کر دی جائے تو 'ہلکا ہاتھ' رکھا جائے گا۔
ڈاکٹر سمیہ نے بتایا کہ عوامی سطح پر ان کے خلاف مہم بھی چلائی جا رہی ہے اور انہوں نے اس ضمن میں نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (این سی سی آئی اے) میں شکایت درج کرائی ہے۔ ان کے مطابق یہ ان کے لیے ایک ٹیسٹ کیس ہے اور ضرورت پڑنے پر مستقبل میں بھی وہ اسی طرح کارروائی کریں گی۔
تاہم انہوں نے واضح نہیں کیا یہ یہ کون لوگ کر رہے ہیں۔
جوڈیشل کمیشن کی کارروائی تاحال جاری ہے اور توقع ہے کہ آئندہ نشستوں میں میڈیکل بورڈ کے سربراہ اور دیگر متعلقہ حکام کے بیانات بھی ریکارڈ کیے جائیں گے۔

پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر کی سبسڈی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟

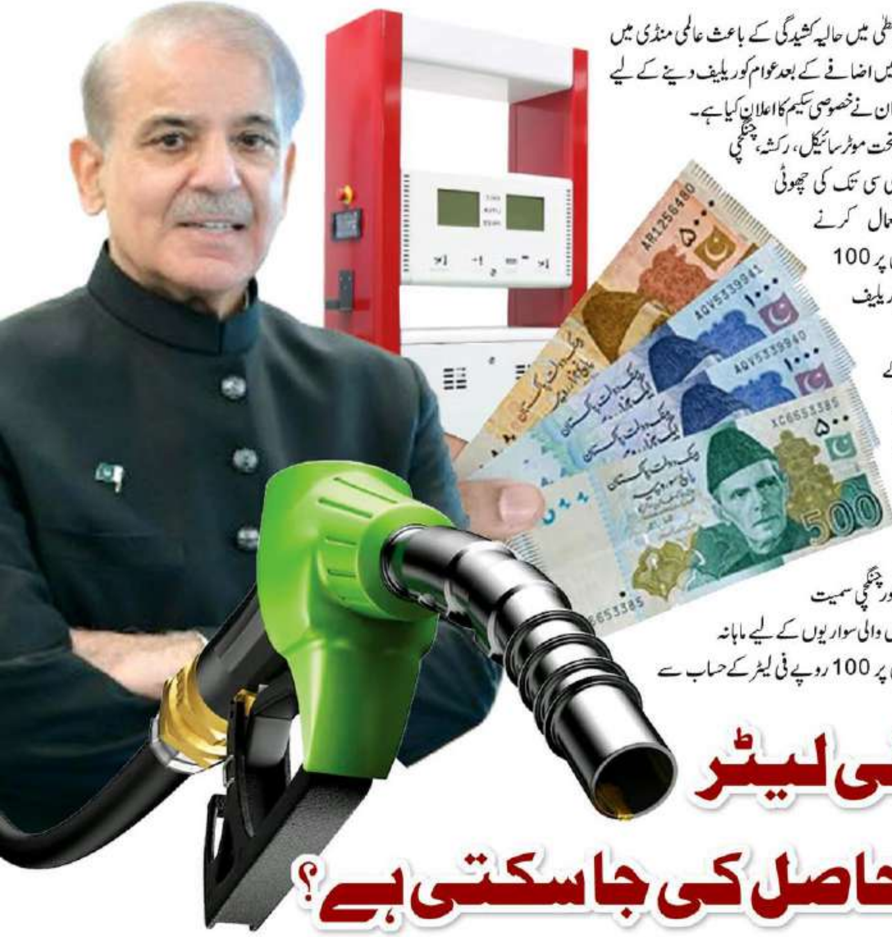

مشرقِ وسطیٰ میں جاری کشیدگی اور یمن میں لڑائی میں شدت کے باعث عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت 108 ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئی ہے جس کے بعد پاکستانی حکومت نے عوام کو ریلیف دینے کے لیے پیٹرول پر سبسڈی کی سکیم کا اعلان کیا ہے۔

اتوار کو اعلان کردہ سکیم کے تحت موٹر سائیکل، رکشہ، چنگچی اور 800 سی سی تک کی چھوٹی گاڑیاں استعمال کرنے والوں کو پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر ریلیف دیا جائے گا۔ حکومت کے مطابق موٹر سائیکل، رکشہ اور چنگچی سمیت دو اور تین پہیوں والی سواریوں کے لیے ماہانہ 20 لیٹر پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر کے حساب سے ریلیف فراہم کیا جائے گا، جبکہ 800 سی سی تک کی چھوٹی گاڑیوں کے مالکان کو ماہانہ 30 لیٹر پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر ریلیف ملے گا۔

وزیرِاعظم کے دفتر کے مطابق اسلام آباد میں اس سکیم کا اطلاق پیر اور منگل کی درمیانی شب سے ہوگا جبکہ پورے پاکستان، بشمول پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر اور گلگت بلتستان، میں بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب سے ہوگا۔ خصوصی ریلیف سکیم کے لیے رجسٹریشن کا آغاز اتوار سے کر دیا گیا ہے اور اس کا طریقہ کار آگاہی مہم کے ذریعے عوام تک پہنچایا جائے گا۔

وزیرِاعظم نے کہا کہ تیل کی قیمتوں میں اضافے کے باعث عوام پر پڑنے والے بوجھ کا حکومت کو مکمل احساس ہے اور 'مشکل کی اس گھڑی میں ہم عوام کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔' خیال رہے کہ ملک میں ستمبر کے دوران حکومت نے پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں کئی بار اضافہ کیا گیا ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں جاری جنگ کے دوران آبنائے ہرمز کی بندش کے بعد اب یمن میں حوثیوں نے خلیج عدن کو بحیرۂ احمر سے ملانے والی ایک اہم آبی گزرگاہ باب المندب پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ یہ اہم پیش رفت عالمی منڈیوں میں خام تیل کی ترسیل میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی ہے۔

جنگ کے دوران تیل کی رسد میں خلل اور عالمی منڈیوں میں اتار چڑھاؤ سے خام تیل درآمد کرنے والے پاکستان جیسے ممالک متاثر ہوئے ہیں۔ عالمی توانائی ایجنسی نے اپنی حالیہ رپورٹ میں کہا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جاری جنگ کے خاتمے میں تاخیر اور موجودہ حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ 2027 میں بھی تیل کی رسد معمول پر نہیں آسکے گی جس کی وجہ سے قیمتوں میں کمی کا امکان کم ہے۔

جہاں عالمی منڈی میں قیمتیں بڑھنے سے پاکستان میں عام افراد متاثر ہو رہے ہیں تو وہیں حکومت کی جانب سے پیٹرولیئم مصنوعات پر عائد لیوی، ٹیکس اور ڈیوٹیز پر بھی تنقید ہو رہی ہے۔ کئی حلقوں کا مطالبہ ہے کہ حکومت پیٹرولیئم ڈیویلپمنٹ لیوی یعنی پی ڈی ایل میں کمی سے عوام کو کچھ ریلیف دے۔ دوسری جانب حکومت کا کہنا ہے کہ جنگ کے بعد عالمی سطح پر خام تیل کی قیمت میں اضافے پر کمزور اور متاثرہ طبقات کو وفاقی حکومت نے 130 ارب روپے کی سبسڈی فراہم کی۔ وزیر خزانہ کے مشیر خرم شہزاد کے مطابق پاکستان اس وقت عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے پروگرام میں ہے اسی لیے مالی گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے ریلیف فراہم کیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں پیٹرول پر سبسڈی کیسے لی جاسکتی ہے؟

مشرق وسطیٰ میں حالیہ کشیدگی کے باعث عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بعد عوام کو ریلیف دینے کے لیے وزیراعظم پاکستان نے خصوصی سکیم کا اعلان کیا ہے۔

اس کے تحت موٹر سائیکل، رکشہ، چنگچی اور 800 سی سی تک کی چھوٹی گاڑیاں استعمال کرنے والوں کو پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر ریلیف دیا جائے گا۔

وزیراعظم کے دفتر کی جانب سے جاری ہونے والے بیان کے مطابق موٹر سائیکل، رکشہ اور چنگچی سمیت دو اور تین پہیوں والی سواریوں کے لیے ماہانہ 20 لیٹر پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر کے حساب سے ریلیف فراہم کیا جائے گا۔

جبکہ 800 سی سی تک کی چھوٹی گاڑیوں کے مالکان کو ماہانہ 30 لیٹر پیٹرول پر 100 روپے فی لیٹر ریلیف دیا جائے گا۔

وزارتِ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور ٹیلی کمیونیکیشن نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر وہ طریقہ کار جاری کیا ہے جس کے تحت یہ ریلیف حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس کے مطابق رعایت حاصل کرنے کے خواہش مند افراد کو اپنی رجسٹریشن کرانا ہوگی۔ رجسٹریشن کے لیے موبائل فون پر ایک میسج لکھنا ہوگا۔

رعایت حاصل کرنے کے امیدوار پہلے آر ای جی، پھر اپنا شناختی کارڈ نمبر، سواری کا رجسٹرڈ نمبر، صوبے کے نام کا پہلا حرف اور رجسٹریشن کی تاریخ لکھ کر 9771 پر بھیجیں گے۔

رجسٹریشن مکمل ہونے پر انھیں ایک تصدیقی پیغام موصول ہوگا۔

پھر پیٹرول پمپ جانے سے پہلے اپنے موبائل فون پر ٹی او کے لکھ کر 9771 پر پیغام بھیجنا ہوگا۔ اس کے بعد رعایتی پیٹرول حاصل کرنے کا پیغام ملے گا، جس میں ٹوکن نمبر، رجسٹریشن نمبر، پیٹرول کی مقدار اور استعمال کرنے کی مدت درج ہوگی۔

وزارت کی جانب سے جاری پیغام کے مطابق، رعایت حاصل کرنے کے امیدوار وہ پیغام پیٹرول پمپ پر دکھا کر رعایتی قیمت پر پیٹرول حاصل کر سکیں گے۔

حکومت پاکستان کے مطابق یہ سہولت 14 اور 15 کی درمیانی رات اسلام آباد، جبکہ 16 ستمبر رات 12 بجے سے پاکستان، گلگت بلتستان اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں دستیاب ہوگی۔

پاکستان میں پیٹرول پر عائد لیوی اور ٹیکس برقرار

رواں سال فروری کے آخر میں امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران پر حملے کے بعد شروع ہونے والی جنگ سے قبل پاکستان میں پیٹرول کی قیمت 258 روپے فی لیٹر تھی۔ تاہم جنگ میں طوالت کے ساتھ ساتھ پاکستان میں پیٹرول مہنگا ہوتا رہا اور اپریل کے اوائل میں فی لیٹر قیمت 458.4 روپے تک چلی گئی۔ یہ اب تک پاکستان میں پیٹرول کی بلند ترین قیمت رہی ہے۔

ادھر ڈیزل جو کہ جنگ سے قبل 275.70 روپے فی لیٹر میں فروخت ہو رہا تھا وہ اپریل میں 520.35 روپے کی بلند ترین سطح کو پہنچ گیا تھا۔

بعد ازاں پاکستان کی کوششوں سے عارضی جنگ بندی اور اسلام آباد معاہدے کے بعد عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت کم ہو کر 75 ڈالر فی بیرل تک آ گئی اور پاکستان میں بھی فی لیٹر پیٹرول اور ڈیزل کی قیمت میں کمی آئی۔ جولائی میں ایران کے خلاف امریکی کارروائیاں دوبارہ شروع ہونے کے بعد سے تیل کی قیمتوں میں ایک بار پھر اضافہ ہوا ہے لیکن رواں ہفتے یمن میں لڑائی میں شدت آنے کے بعد سے تیل کی قیمت 100 ڈالر فی بیرل کی حد عبور کر گئی۔

جنگ کے طول پکڑنے اور غیر مستحکم حالات کو دیکھتے ہوئے حکومت نے جولائی کے وسط میں فیصلہ کیا کہ اب پیٹرولیئم مصنوعات کی قیمتوں کا اعلان ہفتہ وار کے بجائے یومیہ بنیادوں پر کیا جائے گا۔

پاکستان میں رواں ماہ کم از کم سات بار پیٹرول کی قیمت میں اضافہ ہوا

ہے۔ اس دوران پیٹرول اور ڈیزل کی فی لیٹر قیمتوں میں 30 روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوا ہے۔

پیٹرولیئم مصنوعات کی آئے روز بڑھتی ہوئی قیمتوں سے تاجر، ٹرانسپورٹرز اور عام عوام پریشان ہیں اور وہ حکومت کی جانب سے ان غیر معمولی حالات میں بھی پیٹرول اور ڈیزل پر عائد ٹیکس کی شرح کم نہ کرنے پر تنقید کر رہے ہیں۔

اس وقت ایک لیٹر پیٹرول پر مختلف ٹیکسز، ڈیوٹیز کی مد میں حکومت قریب 106 روپے وصول کر رہی ہے جبکہ مختلف مارجنز کو شامل کیا جائے تو عوام کو مجموعی طور پر فی لیٹر پیٹرول پر اضافی 130 روپے سے زائد ادا کرنے پڑتے ہیں۔

حکومت فی لیٹر پر پیٹرولیئم ڈیولپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) کی مد میں فی لیٹر 80 روپے، کلائمیٹ لیوی کی مد میں 5 روپے فی لیٹر اور کسٹم ڈیوٹی کی

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے خرم شہزاد نے کہا کہ لیوی میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کا فیصلہ مالیاتی اور آئی ایم ایف پروگرام کی شرائط، عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ اور مجموعی معاشی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔'

انھوں نے کہا کہ جہاں مالی گنجائش موجود تھی، وہاں ریلیف فراہم کیا گیا۔ تاہم، مزید کسی بھی فیصلے کا انحصار بدلتی ہوئی صورتحال پر ہوگا۔ اس لیے اس مرحلے پر کسی حتمی فیصلے کے بارے میں قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔

ڈاکٹر خاقان نجیب کا کہنا ہے کہ حکومت نے پیٹرولیئم مصنوعات پر 18 فیصد سیلز ٹیکس کے ساتھ پی ڈی ایل بھی لگایا لیکن وہ کہتے ہیں کہ غیر ضروری ٹیکسز اور ڈیوٹیز نہیں ہونی چاہییں۔ ان کے مطابق 'حکومت پی ڈی ایل کی 18 فیصد تک حد مقرر کرے، توانائی پر دیگر ٹیکسز کم کرے اور اپنی آمدن ٹیکس کا دائرہ کار بڑھا کر پوری کرے۔'

جاری دھرنے کے شرکا سے خطاب کے دوران پیٹرولیئم لیوی کو 'غنڈہ ٹیکس' قرار دیتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ وہ اسے واپس لے۔

توانائی کے عالمی ادارے انٹرنیشنل انرجی ایجنسی (آئی ای اے) کا کہنا ہے کہ رواں سال عالمی سطح پر خام تیل کی رسد اور طلب دونوں میں کمی آئی ہے۔ آئی ای اے کے مطابق سپلائی لائنز کے متاثر ہونے اور قیمتوں میں اضافے کے سبب خام تیل کی یومیہ رسد میں 57 لاکھ بیرل کی کمی ہو رہی ہے۔ اس نے خبردار کیا کہ 2027 میں بھی تیل کی رسد معمول پر نہیں آ سکے گی جس کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوگا۔

ایجنسی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ قیمتوں میں اضافے سے طلب میں بھی کمی ہوئی ہے لیکن سپلائی میں تیزی سے کمی کے سبب عالمی سطح پر خام تیل کے ذخائر میں ریکارڈ کمی آئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اگست میں عالمی ذخائر 31 لاکھ بیرل یومیہ کی کمی کے ساتھ 8.7 ارب بیرل کی سطح پر آئے

مد میں 15.21 روپے وصول کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ کمپنیوں اور ڈیلرز کے مارجن کی مد میں 17.85 روپے فی لیٹر لیے جا رہے ہیں۔

لیوی کی مد میں لی جانے والی یہ رقم حکومت کے لیے آمدن کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ وزارتِ خزانہ کی دستاویزات میں دیے گئے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 30 جون کو ختم ہونے والے مالی سال کے دوران حکومت نے پی ڈی ایل کی مد میں 1566 ارب روپے وصول کیے ہیں جبکہ رواں مالی سال کے دوران پیٹرولیئم لیوی سے 1576 ارب روپے وصول کرنے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔

حکومت پیٹرول پر عائد لیوی کم کیوں نہیں کر رہی؟

پاکستان میں توانائی کا زیادہ تر انحصار خام تیل اور پیٹرولیئم مصنوعات کی درآمد پر ہوتا ہے اور عالمی منڈی میں معمولی رد و بدل سے عوام متاثر ہوتے ہیں۔

ماہر اقتصادیات ڈاکٹر خاقان نجیب ماضی میں وزارتِ خزانہ میں فرائض انجام دیتے رہے ہیں اور انھیں آئی ایم ایف کے ساتھ بھی معاملات طے کرنے کا تجربہ ہے۔

اس سوال پر کہ کیا پاکستانی حکومت پیٹرولیئم لیوی میں کمی کی گنجائش رکھتی ہے، انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ موجودہ حالات میں حکومت کے پاس آئی ایم ایف سے ریلیف کے بارے میں بات چیت کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن ان کے بقول ریلیف کے لیے کوئی بھی تجویز مالیاتی لحاظ سے قابلِ عمل اور آئی ایم ایف پروگرام سے ہم آہنگ ہونی ضروری ہے۔

وزیر خزانہ محمد اورنگزیب کے مشیر خرم شہزاد کا کہنا ہے کہ حکومت توانائی کی زیادہ قیمتوں کے عوام اور کاروباری شعبے پر پڑنے والے اثرات سے آگاہ ہے اور وزیر اعظم کی زیر صدارت نیشنل کوآرڈینیشن اینڈ مینجمنٹ کونسل کے ذریعے تمام ممکنہ آپشنز کا مسلسل جائزہ لے رہی ہے۔

ان کا مشورہ ہے کہ اس کے لیے حکومت خصوصاً پراپرٹی، ریٹیل اور سروسز کے شعبوں میں ٹیکس نیٹ بڑھانے اور وصولیوں کے نظام کو مضبوط بنائے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اخراجات میں اصلاحات لا کر مالی استحکام بھی برقرار رکھتے ہوئے صارفین کو ریلیف دیا جا سکتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگرچہ حکومت آمدن کے ذرائع بڑھانے کے لیے مختلف تجاویز پر کام کر رہی ہے لیکن پی ڈی ایل حکومتی خاص کر وفاقی حکومت کی آمدن کا اہم ذریعہ ہے اس لیے اس میں فوری کمی کے بجائے مرحلہ وار کمی کی جا سکتی ہے۔

خرم شہزاد کا کہنا ہے کہ مزید کوئی بھی ریلیف عارضی اور ایک خاص طبقے کے لیے ہو سکتا ہے کیونکہ حکومتی ترجیح کمزور اور مستحق گھرانوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے تاکہ معاشی استحکام کو متاثر کیے بغیر انھیں کچھ ریلیف مل سکے۔

پیٹرول کی قیمت میں مزید اضافے کا خدشہ کیوں؟

پاکستان کی مذہبی سیاسی پارٹی جماعتِ اسلامی لاہور اور کراچی سمیت ملک کے مختلف شہروں میں پیٹرولیئم مصنوعات پر عائد ڈیویلپمنٹ لیوی کے خاتمے کے لیے احتجاجی دھرنا دیے ہوئے ہے۔

28 روز سے جاری ان دھرنوں کے شرکا کا مطالبہ ہے کہ حکومت عوام کو ریلیف دینے کے لیے پیٹرول پر عائد ٹیکسوں کو ختم کرے۔

اس سلسلے میں جماعت کے رہنماؤں اور حکومت کے مابین ہونے والے مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے ہیں جس کے بعد جماعت اسلامی نے احتجاج کا دائرہ مزید شہروں تک بڑھانے اور احتجاج کے اگلے مرحلے کا آغاز کرتے ہوئے 20 ستمبر کو وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کی جانب لانگ مارچ کا اعلان کیا ہے۔

جماعتِ اسلامی کے سربراہ حافظ نعیم الرحمٰن نے جمعے کے روز گوجرانوالا میں

گئے ہیں جو 2023 کے بعد اب تک کی کم ترین سطح ہے۔

چین اور امریکہ سمیت دنیا کی بڑی معیشتیں خام تیل کے سٹریٹیجک ریزرو رکھتی ہیں لیکن حالیہ جنگ کے دوران عالمی سطح پر قیمتوں میں توازن کے لیے ان ذخائر کو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

آئی ای اے کا کہنا ہے کہ اب تک ان ذخائر نے مارکیٹ میں توازن برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایجنسی کا کہنا ہے کہ سعودی عرب میں توانائی کی تنصیبات پر حالیہ حملوں اور آبنائے ہرمز کی بندش نے تیل پیدا کرنے والے ممالک اوپیک کی پیداوار کو شدید متاثر کیا ہے۔

دوسری جانب تیل پیدا کرنے والے بڑے ممالک میں شامل سعودی عرب کی تیل کی یومیہ پیداوار حالیہ حملوں کے سبب بہت متاثر ہوئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سعودی عرب کی خام تیل کی پیداوار 60 لاکھ بیرل یومیہ رہ گئی ہے جو تین دہائیوں کی کم ترین یومیہ پیداوار ہے۔

حملوں کے سبب تیل کی پیداوار میں کمی اور کم ہوتے سٹریٹیجک ذخائر کے سبب اس بات کا امکان کم ہے کہ 2027 میں بھی خام تیل کی قیمتوں میں کمی آئے۔ توانائی ایجنسی کا کہنا ہے کہ خام تیل کی قیمتیں سال کے اختتام تک 90 ڈالر فی بیرل تک رہیں گی۔

اقتصادی ماہرین کے مطابق پاکستان جیسے ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ درآمدی ایندھن پر انحصار کم کریں اور توانائی کے دیگر ذرائع کو بروئے کار لائیں۔

تجزیہ کار خاقان نجیب کا کہنا ہے کہ حکومت کا مقصد سستا پیٹرول فراہم کرنا نہیں بلکہ ایسی معیشت تشکیل دینا ہونا چاہیے جو تیل کی عالمی مارکیٹ میں قیمتوں کے جھٹکوں سے کم سے کم متاثر ہو۔

فجر فائیو:

سمندر تک بحری سرنگیں پہنچانے والا ایرانی راکٹ جو آبنائے ہرمز میں جہاز رانی کو مزید خطرناک بنا رہا ہے

امریکہ اور ایران کے درمیان فوجی کشیدگی کا ایک نیا دور تقریباً ایک ماہ کے وقفے کے بعد اس امریکی حملے سے شروع ہوا، جس میں ان لانچروں کو نشانہ بنایا گیا جن کے بارے میں امریکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک غیر روایتی طریقے سے بارودی سرنگیں بچھانے کی تیاری کر رہے تھے: یعنی آبنائے ہرمز کی جانب بحری بارودی سرنگیں لے جانے والے راکٹ فائر کر کے۔

امریکی سینٹرل کمانڈ (سینٹکام) نے 30 اگست کو اعلان کیا کہ اس نے آبنائے ہرمز کے قریب واقع جزیرۂ لارک پر پاسدارانِ انقلاب کے دو لانچروں کو نشانہ بنایا ہے۔

سینٹکام کے ترجمان ٹم ہاکنز کا کہنا تھا کہ پاسداران انقلاب کے اہلکاروں کو آبنائے ہرمز میں 'بحری بارودی سرنگوں سے لیس راکٹ' فائر کرنے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

اس کے جواب میں ایران نے اردن میں ایک امریکی فوجی اڈے کو میزائلوں سے نشانہ بنایا، جس کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان فائرنگ اور جوابی حملوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

امریکی مؤقف کے مطابق جزیرۂ لارک پر موجود ان لانچروں کا مقصد کشتیوں یا بارودی سرنگیں بچھانے والے جہاز استعمال کیے بغیر خشکی سے آبنائے ہرمز میں بارودی سرنگیں پہنچانا تھا۔

پاسدارانِ انقلاب اس نوعیت کے نظام کا ایک ماڈل اس سے قبل ایک فوجی مشق میں پیش کر چکی تھی۔ تاہم جزیرۂ لارک پر حملے کے بعد بارودی سرنگیں بچھانے کا یہ نظام دونوں ممالک کے درمیان براہِ راست تنازع کا موضوع بن گیا۔

یہ حملہ امریکی سینٹرل کمانڈ کی جانب سے اس اعلان کے صرف دو دن بعد کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ آبنائے ہرمز میں بین الاقوامی گزرگاہوں میں بچھائی گئی بارودی سرنگوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔

فنانشل ٹائمز نے حال ہی میں رپورٹ کیا تھا کہ بارودی سرنگوں کی صفائی کا آپریشن چار ماہ تک جاری رہا اور اس کا بیشتر حصہ رات کے وقت انجام دیا گیا۔ اس کارروائی میں امریکی بحریہ کے غوطہ خوروں کے ساتھ ساتھ روبوٹک کشتیوں اور بغیر پائلٹ زیرِ آب گاڑیوں کا بھی استعمال کیا گیا۔

انٹرنیشنل میری ٹائم آرگنائزیشن (آئی ایم او) نے جون میں تخمینہ لگایا تھا کہ آبنائے ہرمز میں تقریباً 80 بارودی سرنگیں موجود تھیں۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اگست کے آخر میں کہا تھا کہ بین الاقوامی آبی راستوں میں موجود تمام بارودی سرنگیں صاف کر دی گئی ہیں یا انہیں ناکارہ بنا دیا گیا ہے، تاہم بحری انٹیلی جنس ادارے اب بھی تیرتی ہوئی یا غیر رجسٹرڈ بارودی سرنگوں کے امکان سے خبردار کر رہے ہیں۔ رینڈ کارپوریشن کے سینئر انجینئر اور بحری بارودی سرنگوں کے ماہر سکاٹ ساوٹز نے بی بی سی فارسی کو بتایا کہ بارودی سرنگیں بچھانے کے لیے ان کے خاتمے کے مقابلے میں کہیں کم وسائل درکار ہوتے ہیں اور یہ عمل کئی گنا زیادہ تیز ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا 'بارودی سرنگیں بچھانے میں چند گھنٹے لگ سکتے ہیں، جبکہ انھیں صاف کرنے میں کئی دن یا کئی ہفتے بھی لگ سکتے ہیں۔'

بحری مشق سے جزیرۂ لارک پر حملے تک

راکٹ کے ذریعے بحری بارودی سرنگیں بھیجنے کا نظام پہلی مرتبہ جنوری 2025 میں پاسدارانِ انقلاب کی بحریہ کی مشق 'پیغمبرِ اعظم 19' سامنے آیا تھا۔ اس مشق کی کوریج کرنے والے ایرانی ذرائع ابلاغ نے ایسی ویڈیوز جاری کی تھیں، جن میں ایک ٹرک پر نصب لانچر سے متعدد راکٹ فائر کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ بعد ازاں ویڈیو میں پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی مخروطی شکل کی اشیا دکھائی گئیں، جنہیں بحری بارودی سرنگیں قرار دیا گیا تھا۔

ڈیفنس پریس نیوز ایجنسی نے اس مشق کے بارے میں رپورٹ کیا تھا کہ بارودی سرنگوں کو 'فجر-فائیو راکٹوں سے مشابہ ایک چیمبر میں رکھا گیا اور ساحل سے ایک لانچر کے ذریعے سمندر کی جانب فائر کیا گیا۔' مسلح افواج کے جنرل سٹاف سے وابستہ اس ادارے نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس طریقۂ کار کے ذریعے ایک گھنٹے کے اندر سمندر میں 'سینکڑوں بارودی سرنگیں' پہنچائی جا سکتی ہیں۔

اس مشق کی ویڈیو میں راکٹ فائر کیے جانے اور پانی پر تیرتی اشیا کے مناظر دکھائے گئے، لیکن راکٹ سے چیمبر کی علیحدگی اور بارودی سرنگ کے پانی میں داخل ہونے کے عمل کو واضح طور پر نہیں دکھایا گیا۔

اس وقت ڈیفنس پریس کی ویب سائٹ نے لکھا تھا کہ 'پاسدارانِ انقلاب کی بحریہ کی نئی بارودی سرنگ دیگر بحری بارودی سرنگوں کے مقابلے میں مختلف صلاحیتوں کی حامل ہے، جنہیں کمانڈروں نے خفیہ رکھا ہے۔'

امریکی سینٹرل کمانڈ نے جزیرۂ لارک پر حملے کی وضاحت کرتے ہوئے استعمال ہونے والے لانچر کی نوعیت نہیں بتائی۔ سینٹکام کے ترجمان ٹم ہاکنز نے صرف اتنا کہا کہ پاسداران انقلاب کے اہلکاروں کو 'بحری بارودی سرنگیں لے جانے والے راکٹ' فائر کرنے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

فجر-فائیو راکٹ کا نام اس وقت خبروں کا حصہ بنا جب اس کا موازنہ ایران میں گذشتہ برس ایک فوجی مشق کے دوران دکھائے گئے بارودی سرنگ بچھانے کے نظام سے کیا گیا۔

فجر فائیو راکٹ

فجر-فائیو اس سلسلے کا پہلا راکٹ نہیں ہے بلکہ اس کے دیگر ڈیزائن ماضی میں بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اس کا ابتدائی ڈیزائن زمین سے زمین تک مار کرنے والے ان گائیڈڈ راکٹوں پر مبنی تھا اور اس کے مختلف ماڈل 1990 کی دہائی سے تیار کیے جا رہے ہیں۔

ایرانی دفاعی مصنوعات کے برآمدی مرکز کی ویب سائٹ پر شائع کردہ تفصیلات کے مطابق معیاری فجر-فائیو راکٹ کا قطر 333 ملی میٹر اور لمبائی 6.4 میٹر ہے۔ اس راکٹ کا وزن 907 کلوگرام ہے، اس کے مکمل وارہیڈ کا وزن 175 کلوگرام ہے، جبکہ اس کی اعلان کردہ حدِ مار 75 کلومیٹر ہے۔ یہ راکٹ عموماً ٹرک پر نصب چار نالیوں والے لانچر سے فائر کیا جاتا ہے۔

برآمدی مرکز کی ویب سائٹ کے مطابق 'فجر-فائیو راکٹ لانچر نظام ایک ایرانی ساختہ ملٹی پل راکٹ سسٹم ہے، جسے 1990 کی دہائی میں تیار کیا گیا تھا۔ یہ نظام بھاری فائر سپورٹ اور دور مار حملوں کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے اور یہ ایرانی مسلح افواج کی جارحانہ اور بازدارانہ صلاحیتوں کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔'

فراہم کی گئی تفصیلات بنیادی فجر-فائیو ماڈل سے متعلق ہیں اور اس خاندان کے تمام راکٹوں کی ساخت یکساں نہیں ہے۔

ایرانی حکومت نے فروری 2016 میں اس راکٹ کا نیا ماڈل 'فجر-5 سی' متعارف کروایا تھا۔ وزارتِ دفاع کے ایکسپورٹ سینٹر نے فجر-فائیو کے ایک دو مرحلہ وار ماڈل کا بھی ذکر کیا ہے، جس کی حدِ مار ایرانی ذرائع کے مطابق 180 سے 190 کلومیٹر بتائی جاتی ہے۔

2023 میں ڈیفنس پریس ویب سائٹ نے فجر-فائیو کے لیے ایک 'تھرموبیرک وارہیڈ' کے تجربے کی خبر دی تھی۔ اس قسم کے ہتھیار میں پہلے فضا میں آتش گیر مادہ پھیلایا جاتا ہے اور پھر اسے بھڑکا دیا جاتا ہے، جس سے زیادہ دیر تک برقرار رہنے والے دباؤ کی لہر اور شدید حرارت پیدا ہوتی ہے۔ یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ ایران نے وقت کے ساتھ مختلف مشنز اور مختلف قسم کے پے لوڈز کے لیے فجر-فائیو کے بنیادی ڈھانچے میں تبدیلیاں کی ہیں۔

پاسداران انقلاب کی مشق میں پیش کیا گیا بارودی سرنگیں بچھانے والا نظام اسی سمت میں ایک اور قدم تھا، جس میں دھماکہ خیز وارہیڈ کی جگہ ایک ایسا خانہ نصب کیا گیا جو بارودی سرنگ کو پانی تک پہنچاتا ہے۔

فوجی ویب سائٹ وارزون کے مطابق فجر-فائیو کی 75 کلومیٹر حدِ مار اس کے پے لوڈ کو ایران کے ساحلوں یا جزائر سے آبنائے ہرمز کی جہاز رانی کی گزرگاہوں تک، بشمول جنوبی راستے، پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ لانچر کی نقل وحرکت کی صلاحیت عملے کو فائرنگ کے فوراً بعد مقام تبدیل کرنے کی سہولت بھی دیتی ہے، جس سے اس کے سراغ لگائے جانے اور حملے کا نشانہ بننے کا وقت کم ہو جاتا ہے۔

سینٹر فار انٹرنیشنل میری ٹائم سکیورٹی کی ویب سائٹ پر شائع ایک مضمون کے مطابق فجر-فائیو راکٹ کے پے لوڈ اٹھانے کی صلاحیت تقریباً 90 کلوگرام ہے، جو امریکہ اور چین کی بہت سی روایتی بحری بارودی سرنگوں کے وزن سے کم ہے۔

اس تجزیے کے مطابق ان نسبتاً چھوٹی بارودی سرنگوں سے پیدا ہونے والا بنیادی خطرہ یہ ہے کہ انہیں گزرنے والے جہازوں کے راستے میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ متعدد بارودی سرنگوں سے ٹکراؤ کسی بحری جہاز کو ناکارہ بنا سکتا ہے اور اگر چند تجارتی جہازوں کو بھی نقصان پہنچے تو اس کے نتیجے میں شپنگ کمپنیاں اپنے راستے تبدیل کرنے یا اس علاقے میں بحری نقل وحمل عارضی طور پر روکنے پر مجبور ہو سکتی ہیں۔

سمندر میں راکٹ کے ذریعے بارودی سرنگیں بچھانا مشکل کیوں؟

رینڈ کارپوریشن سے منسلک تجزیہ کار سکاٹ ساوٹز نے بی بی سی فارسی کو بتایا کہ بحری بارودی سرنگیں عموماً سطحِ آب پر چلنے والے جہازوں، آبدوزوں یا طیاروں کے ذریعے بچھائی جاتی ہیں، جبکہ فضائی ذرائع سے گرائی جانے والی سرنگوں کو پیراشوٹ کے ذریعے اتارا جاتا ہے۔ تاہم راکٹ کے ذریعے استعمال ہونے والے نظام میں بارودی سرنگ کو لانچ کے عمل اور پھر پانی میں داخل ہونے کے مرحلے دونوں میں شدید نقصان سے محفوظ رہنا پڑتا ہے۔

انہوں نے کہا 'یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ راکٹ اور بارودی سرنگ کا ایسا امتزاج کیسے ممکن ہو سکتا ہے، جس میں سرنگ کو لانچ کے وقت یا پانی میں داخل ہوتے ہوئے نمایاں نقصان نہ پہنچے۔'

ساوٹز کے مطابق اگرچہ نظریاتی طور پر یہ ممکن ہے، لیکن عملی طور پر اس کے کامیاب ہونے کا امکان 'انتہائی کم' ہے۔

امریکی بحریہ کے ریٹائرڈ سینئر ایڈمرل ہارلن اُلمن نے بھی الجزیرہ کو دیے گئے ایک انٹرویو میں راکٹ کے ذریعے بارودی سرنگیں بچھانے کے اس تصور کو 'غیر محتمل' قرار دیا۔

ان کا کہنا تھا کہ راکٹ کے پانی کی سطح سے ٹکرانے کی قوت اس کے ساتھ لے جائی جانے والی بارودی سرنگوں کو 'نمایاں نقصان' پہنچا سکتی ہے۔

اُلمن نے مزید کہا کہ ایران کے پاس بارودی سرنگیں بچھانے کے کئی دوسرے طریقے بھی موجود ہیں۔

دوسری جانب ساوٹز کا کہنا ہے کہ راکٹ کے ذریعے بارودی سرنگوں کی تنصیب کا ایک اور نقصان بھی ہے: راکٹ کی پرواز کا راستہ اور وہ مقام جہاں بارودی سرنگ پانی میں گرتی ہے واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جس سے بارودی سرنگوں کو تلاش اور ناکارہ بنانے والی فورسز کے لیے تلاش کا دائرہ زیادہ محدود ہو جاتا ہے۔

ان کے مطابق فضائی طریقے سے بارودی سرنگیں بچھانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے ان آبی علاقوں تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے جہاں بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز محفوظ طریقے سے داخل نہیں ہو سکتے۔

اس ضمن میں وہ دو تاریخی مثالوں کا حوالہ دیتے ہیں: دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپان کے زیرِ قبضہ پانیوں میں امریکی فضائی بارودی سرنگ بچھانے کی کارروائیاں اور شمالی ویتنام کی بندرگاہ ہائی فونگ میں بارودی سرنگیں بچھانا۔ دونوں صورتوں میں طیاروں نے ان علاقوں میں بارودی سرنگیں پہنچائیں، جہاں بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہازوں کے لیے جانا بہت خطرناک تھا۔

ساوٹز کے مطابق اگر امریکہ ایرانی بحری جہازوں کو جہاز رانی کی گزرگاہوں کے قریب پہنچنے سے روک دیتا ہے تو ایران ممکنہ طور پر ان علاقوں میں بارودی سرنگیں پہنچانے کے لیے دیگر طریقے اختیار کر سکتا ہے۔

سکاٹ ساوٹز تجویز دیتے ہیں کہ ساحل کے قریب تیرتی ہوئی بارودی سرنگیں وہیں چھوڑ دی جائیں اور انہیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنے دیا جائے۔

اس کے نتیجے میں ان سرنگوں سے پیدا ہونے والا خطرہ مستقل نوعیت کا نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ وہ ایرانی بندرگاہوں کی طرف جانے والے یا وہاں سے واپس آنے والے بحری جہازوں کے لیے بھی خطرہ بن جائیں۔

سرنگیں بچھانے میں چند گھنٹے اور صاف کرنے میں ہفتوں لگ سکتے ہیں

سمندری بارودی سرنگوں کو صاف کرنے کے عمل میں کئی مراحل شامل ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے سونار کے ذریعے راستے کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ سونار ایک ایسا نظام ہے جو صوتی لہریں خارج کر کے اور ان کے منعکس ہونے والے اشارے وصول کر کے پانی کے اندر موجود اشیا کا پتا لگاتا ہے۔ اس کے بعد بارودی سرنگ کو سمندر کی تہہ میں موجود چٹانوں، ملبے اور دیگر اشیا سے الگ شناخت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب اس کی تصدیق ہو جاتی ہے تو ایک غوطہ خور یا روبوٹ موقع پر پہنچ کر سرنگ کو ناکارہ بناتا ہے یا اس کے ساتھ دھماکہ خیز مواد نصب کر کے اسے ایک کنٹرول شدہ دھماکے کے ذریعے تباہ کرتا ہے۔

فنانشل ٹائمز کی ایک رپورٹ، جس میں آبنائے ہرمز میں امریکی کارروائی کا ذکر کیا گیا، میں اسی طریقۂ کار کے استعمال کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے مطابق بغیر عملے والی کشتیوں اور زیرِ آب آلات نے پہلے سمندر کی تہہ کی تلاشی لی، جس کے بعد غوطہ خوروں یا روبوٹس نے شناخت شدہ بارودی سرنگوں کے قریب جا کر کارروائی کی۔ یہ آپریشن زیادہ تر رات کی تاریکی میں انجام دیا گیا اور چار ماہ تک جاری رہا۔

سکاٹ ساوٹز نے بی بی سی فارسی کو بتایا کہ اگر بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہازوں یا ٹیموں کو بیک وقت میزائلوں یا ڈرونز کے خطرے کا سامنا ہو تو بارودی سرنگوں کو صاف کرنے کا عمل کہیں زیادہ سست اور دشوار ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات مکمل طور پر رک بھی سکتا ہے۔

اسی وجہ سے ان کے نزدیک بارودی سرنگوں کے خطرے سے نمٹنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ انہیں پانی میں پہنچنے ہی نہ دیا جائے، یعنی ان مقامات کو نشانہ بنایا جائے جہاں سرنگیں ذخیرہ کی جاتی ہیں یا ان ذرائع کو تباہ کیا جائے جو انہیں منتقل کرنے اور بچھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

امریکی بیان کے مطابق جزیرۂ لارک پر موجود لانچروں پر حملے کی یہی وجہ تھی۔ سینٹکام کا کہنا تھا کہ لانچروں کو نشانہ بنا کر نئی بارودی سرنگوں کو بحری راستوں تک پہنچنے سے روکا گیا۔

سکاٹ ساوٹز کے جائزے کے مطابق آبنائے ہرمز سے گزرنے والے جہازوں کو دو طرح کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے: پانی کی سطح یا زیرِ آب نصب بارودی سرنگیں اور فضا سے کیے جانے والے میزائل اور ڈرون حملے۔ ان کے بقول تجارتی جہازوں کی بڑی تعداد کی اس سمندری گزرگاہ میں واپسی اسی وقت ممکن ہے جب ان دونوں خطرات کو قابلِ قبول حد تک کم کر دیا جائے۔

2025 کی فوجی مشق نے ظاہر کیا تھا کہ پاسدارانِ انقلاب نے راکٹ کے ذریعے سمندر میں بارودی سرنگیں پہنچانے کے تصور کو اپنی صلاحیتوں میں شامل کر لیا ہے۔

جزیرۂ لارک پر حملے نے یہ بھی ظاہر کیا کہ امریکہ اپنی عملی عسکری منصوبہ بندی میں اس امکان کو سنجیدگی سے لے رہا ہے۔

'یہ حادثہ نہیں، منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے'

فلسطینیوں کے قتل پر بننے والی فلم اور اسرائیلی وزیر کی ہدایتکار کو شہریت ختم کرنے کی دھمکی

اسرائیل کی وزیرِ ثقافت میکی زوہر نے غزہ میں شہری ہلاکتوں سے متعلق دستاویزی فلم 'نازا' کے اسرائیلی ہدایت کاروں یووال ابراہام اور ریچل زار کی شہریت ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے ان پر 'ریاست سے غداری' کا الزام عائد کیا ہے۔

یادرہے کہ اس فلم کے ڈائریکٹرز ریچل زار اور یووال ابراہام اس سے قبل 2024 کی آسکر ایوارڈ یافتہ دستاویزی فلم 'نو ادر لینڈ' بنا چکے ہیں، جس میں مقبوضہ مغربی کنارے میں فلسطینیوں کی جدوجہد کو اجاگر کیا گیا تھا۔ ابراہام نے وینس فلم فیسٹیول میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ 'نو ادر لینڈ' میں دکھائے گئے واقعات سخت اور تکلیف دہ تھے، تاہم اس میں امید کی ایک جھلک موجود تھی، جبکہ 'نازا' ایک ایسے دور کی عکاسی کرتی ہے جسے وہ انتہائی تاریک قرار دیتے ہیں۔

گارڈین کے اشتراک سے تیار کی گئی اس فلم میں اسرائیلی فوج اور انٹیلی جنس سے وابستہ 24 مخبروں کے بیانات شامل ہیں، جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ غزہ پر حملوں میں مصنوعی ذہانت پر مبنی ہدفی نظام استعمال کیے گئے جن کے نتیجے میں بڑی تعداد میں شہری ہلاک ہوئے۔

80 منٹ دورانیے کی اس فلم کو وینس فلم فیسٹیول میں خصوصی جیوری ایوارڈ سے نوازا گیا، جبکہ اس کے پریمیئر پر 25 منٹ تک کھڑے ہو کر داد دی گئی۔

فلم میں ایک ذریعے نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ایک حماس رکن کو نشانہ بنانے کے لیے 500 شہریوں کی ہلاکت کی منظوری دی گئی تھی۔

اسرائیلی وزیرِ ثقافت نے دستاویزی فلم کے ہدایت کاروں پر دنیا بھر میں 'یہود مخالف عناصر' کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا۔

اسرائیل کے قومی سلامتی کے وزیر ایتامار بن گویر، سابق وزیرِ دفاع ایویگڈور لیبرمین اور سابق وزیرِ اعظم نفتالی بینیٹ نے بھی فلم اور اس کے ہدایت کاروں کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

دوسری جانب بائیں بازو کے بعض اسرائیلی رہنماؤں اور اخبار ہاریٹز نے فلم کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ غزہ میں جنگ کے دوران پیش آنے والے واقعات اور الزامات پر عوامی بحث کو فروغ دیتی ہے۔

اسرائیلی فوج نے ابتدا میں فلم کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے گمنام گواہیوں پر اعتراض کیا تھا، تاہم بعد میں کہا کہ ان دعوؤں کا تفصیلی اور شواہد پر مبنی جائزہ لیا جانا چاہیے۔

یادرہے کہ 7 اکتوبر 2023 کو حماس کے حملے میں اسرائیل میں 1,221 افراد ہلاک ہوئے تھے، جبکہ غزہ کی وزارتِ صحت کے مطابق اس کے بعد ہونے والی اسرائیلی فوجی کارروائیوں میں 73 ہزار سے زائد افراد جان سے جا چکے ہیں، جن میں زیادہ تر عام شہری شامل ہیں۔

خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق ایوارڈ وصول کرتے ہوئے ابراہم نے کہا کہ فیسٹیول کے آغاز کے بعد کے 10 دنوں میں اسرائیل نے غزہ میں کم از کم چھ فلسطینی بچوں کو قتل کیا ہے۔'

انھوں نے حاضرین سے کہا کہ 'جن اسرائیلی انٹیلی جنس افسران سے ہم نے بات کی، انھوں نے ہمیں بتایا کہ یہ بڑے پیمانے پر قتل کے ایک منظم نظام کا حصہ ہے۔ یہ حادثاتی نہیں بلکہ منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے اور اس کی بنیاد فلسطینیوں کو مکمل طور پر غیر انسانی سمجھنے والی پالیسیوں اور قتل کی کارروائیوں پر ہے۔'

خصوصی جیوری ایوارڈ ہر سال کسی نمایاں تخلیق کو سراہنے کے لیے دیا جاتا ہے، تاہم اس کی درجہ بندی گولڈن لائن اور سلور لائن ایوارڈز سے نیچے

ہوتی ہے۔

ابراہم اور زور نے 2025 میں اپنی فلم 'نو ادر لینڈ' پر آسکر جیتا تھا، جو مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی آبادکاروں کے تشدد کے بارے میں تھی۔ وینس فلم فیسٹیول میں پیش کی جانے والی نئی دستاویزی فلم 'نازا' میں اسرائیلی انٹیلی جنس اور فوج سے وابستہ 24 گمنام افراد نے غزہ میں فوجی کارروائیوں کے طریقہ کار پر اہم انکشافات کیے ہیں۔

فلم کے مطابق ان میں سے کئی اہلکاروں نے مصنوعی ذہانت پر مبنی ایسے نظاموں کی تیاری میں حصہ لیا، جو فون سگنلز کا تجزیہ کر کے غزہ میں بمباری کے لیے اہداف کی نشاندہی کرتے تھے۔ ان اہلکاروں کا کہنا ہے کہ اگرچہ ان کے کام کے نتیجے میں ہزاروں افراد کی جانیں گئیں، لیکن انہوں نے خود کو صرف ایک تکنیکی کردار تک محدود سمجھا۔

گارڈین کے مطابق اسرائیلی فلم ساز ریچل زار اور یووال ابراہام کی ہدایت کاری میں بننے والی اس دستاویزی فلم میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسرائیلی انٹیلی جنس ادارے 'نازا' نامی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جس سے مراد کسی فضائی حملے میں متوقع شہری ہلاکتوں کی تعداد ہوتی ہے۔

فلم میں

شامل ایک ذریعے کے مطابق ایک موقع پر ایک حماس رکن کو نشانہ بنانے کے لیے 500 شہریوں کی ہلاکت تک کی منظوری دی گئی تھی۔ فلم میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حماس کے مشتبہ ارکان کو اکثر رات کے وقت ان کے گھروں میں نشانہ بنایا جاتا تھا، چاہے اس کے نتیجے میں خاندانوں اور پڑوسیوں کی

جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں۔

دستاویزی فلم میں فوج اور انٹیلی جنس کے 24 گمنام اہلکاروں کو سائے میں اور تبدیل شدہ آوازوں کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ ہدایت کاروں کے مطابق فلم کا مقصد صرف واقعات بیان کرنا نہیں بلکہ اس پورے نظام اور اس میں شامل مختلف کرداروں کی ذمہ داریوں کو سامنے لانا ہے۔

اس سے پہلے گذشتہ برس 2025 میں آسکر ایوارڈ یافتہ دستاویزی فلم 'نو ادر لینڈ' کے اسرائیلی صحافی یووال ابراہام نے بہترین دستاویزی فلم کا ایوارڈ وصول کرتے ہوئے کہا کہ امریکی خارجہ پالیسی مشرقِ وسطیٰ میں سیاسی حل کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ 97 ویں اکیڈمی ایوارڈز کی تقریب میں ان کی تقریر رات کے نمایاں سیاسی لمحات میں سے ایک سمجھی گئی۔

ابراہام نے اپنے فلسطینی ساتھی صحافی باسل عدرا کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ وہ انہیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں، لیکن دونوں کی زندگیوں میں واضح عدم مساوات موجود ہے۔

انھوں نے کہا تھا کہ دونوں عوام کے لیے قومی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے نسلی برتری کے بغیر ایک سیاسی حل ممکن ہے، تاہم ان کے بقول امریکی خارجہ پالیسی اس راستے کو روکنے میں مددگار ثابت ہو رہی ہے۔

فلسطینی صحافی باسل عدرا نے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے اکیڈمی کا شکریہ ادا کیا اور بتایا تھا کہ وہ دو ماہ قبل ایک بیٹی کے والد بنے ہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ ان کی بیٹی کو وہ زندگی نہ گزارنی پڑے جس میں انھیں آبادکاروں کے تشدد، گھروں کی مسماری اور جبری بے دخلی کے خوف کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ عدرا نے کہا کہ فلم ان تلخ حقائق کی عکاسی کرتی ہے جن کا فلسطینی کئی دہائیوں سے سامنا کر رہے ہیں۔

فلم 'نو ادر لینڈ' مقبوضہ مغربی کنارے کے علاقے مسافر یطا کے تقریباً 20 دیہاتوں اور وہاں کے رہائشیوں کی جدوجہد پر مبنی ہے، جبکہ یہ باسل عدرا اور یووال ابراہام کی دوستی کو بھی اجاگر کرتی ہے۔

اسرائیل 1967 سے مغربی کنارے پر قابض ہے اور وہاں قائم اسرائیلی آبادیاں بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی سمجھی جاتی ہیں، اگرچہ اسرائیل اس موقف سے اختلاف کرتا ہے۔

انڈیا میں ’السلام علیکم‘ اور ’انشا اللہ‘ کہنے پر خاتون افسر کے تبادلے کا الزام، معاملہ کیا ہے؟

مغربی بنگال کی خاتون آئی پی ایس افسر بشریٰ بانو ان دنوں خبروں میں ہیں۔ سوشل میڈیا پر حالیہ دنوں شیئر کی گئی ایک ویڈیو میں ان کے ’السلام علیکم‘، ’ان شا اللہ‘ اور ’جزاک اللہ‘ جیسے الفاظ اور سلام کے استعمال پر تنازع پیدا ہوا اور اسی دوران ان کا تبادلہ بھی کر دیا گیا۔

14 ستمبر کے سرکاری حکم نامے کے مطابق، 2021 بیچ کی آئی پی ایس (انڈین پولیس سروس) افسر بشریٰ بانو کو مغربی میدنی پور کے کھڑگ پور میں ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کے عہدے سے ہٹا کر ریاستی مسلح پولیس کی چوتھی بٹالین میں ڈپٹی کمانڈنٹ مقرر کیا گیا ہے۔

اسی حکم نامے میں دو دیگر پولیس افسران کے تبادلوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ سرکاری حکم کے مطابق یہ تبادلے ’عوامی مفاد‘ میں کیے گئے انتظامی فیصلے ہیں۔ سرکاری حکام نے اسے ایک ’معمول کا تبادلہ‘ قرار دیا ہے۔ تاہم، انڈین سیکولر فرنٹ کے رکنِ اسمبلی نوشاد صدیقی کا الزام ہے کہ بشریٰ بانو کی غلط طریقے سے ’گیراج پوسٹنگ‘ دی گئی ہے، یعنی انھیں ایسی ذمہ داری سونپی گئی ہے جسے ان کی سابقہ تعیناتی کے مقابلے میں کم اہم سمجھا جاتا ہے۔

کچھ دن پہلے بشریٰ بانو کی ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی تھی۔ اس ویڈیو میں انھیں انڈیا کے مسابقتی سول سروس امتحان کی تیاری کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ریذیڈنشل کوچنگ اکیڈمی اقلیتی برادری، خواتین اور درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی مدد کرتی ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک سابق طالبہ کی حیثیت سے اس کوچنگ اکیڈمی نے ان کی تعلیم اور امتحان کی تیاری میں بہت مدد کی تھی۔

اس ویڈیو میں ان کے بیان پر سوشل میڈیا پر تنازع شروع ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے سوال اٹھایا کہ آیا یونیفارم میں ملبوس ایک سرکاری افسر عوامی طور پر ’السلام علیکم‘، ’ان شاء اللہ‘ اور ’جزاک اللہ‘ جیسے مذہبی الفاظ استعمال کر سکتی ہیں یا نہیں۔ کچھ افراد نے یہ بھی پوچھا کہ انھوں نے ’جے ہند‘ یا ’وندے ماترم‘ جیسے سلام یا نعرے کیوں استعمال نہیں کیے۔

ہندو لیگل فنڈ نامی تنظیم نے بشریٰ بانو کے خلاف مغربی بنگال کے ہوم سکریٹری سے شکایت درج کرائی ہے۔ اس ویڈیو کی آزاد ذرائع سے تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ تاہم، نیو انڈین ایکسپریس کی ایک رپورٹ میں اس ویڈیو کا ذکر بشریٰ بانو کی سوشل میڈیا پوسٹ کے طور پر کیا گیا ہے۔ اب بشریٰ بانو کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر یہ ویڈیو موجود نہیں ہے۔

سدرشن نیوز، جے پور ڈائیلاگز سمیت بعض ہندوتوا حامی پلیٹ فارمز پر بھی اس ویڈیو کو تنقید اور بحث کا موضوع بنایا گیا۔

’ہندو لیگل فنڈ‘ نامی ایک تنظیم نے 13 ستمبر کو ایکس پر بتایا کہ اس نے مغربی بنگال کے محکمہ داخلہ کے سکریٹری سے بشریٰ بانو کے خلاف شکایت درج کرائی ہے اور ان کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

13 ستمبر کو ہندو لیگل فنڈ کے ایکس اکاؤنٹ پر لکھا گیا کہ ’انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز ’السلام علیکم‘ سے کیا، ’ان شاء اللہ‘ کا استعمال کیا اور ’جزاک اللہ‘ کہہ کر اپنی بات ختم کی، لیکن ’وندے ماترم‘ یا ’جے ہند‘ جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے۔‘ پوسٹ میں مزید کہا گیا کہ ’انڈین ریاست کی نمائندگی کرنے والے ایک سرکاری افسر کو غیر جانبداری برقرار رکھنی چاہیے اور عوامی گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہییں جو قومی جذبے کی عکاسی کرتے ہوں۔ اس معاملے کا مناسب جائزہ لے کر کارروائی کی جائے۔‘ اس کے اگلے ہی روز، 14 ستمبر کو مغربی بنگال حکومت کے محکمہ داخلہ نے بشریٰ بانو کے تبادلے کا حکم جاری کر دیا۔

ان دونوں واقعات کے درمیان صرف ایک دن کا فرق ہونے کی وجہ سے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں کہ آیا بشریٰ بانو کے تبادلے کا اس ہندوتوا تنظیم کی شکایت سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ جب ایک سینئر پولیس افسر سے اس تبادلے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بی بی سی سے کہا ’اس نوعیت کے تبادلے ایک معمول کی انتظامی کارروائی ہوتے ہیں اور کسی بھی وقت کیے جا سکتے ہیں۔ اس تبادلے کے حکم کا حالیہ تنازعے سے کوئی تعلق ہے یا نہیں، اس بارے میں، میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔‘

اپوزیشن کا دعویٰ: ’مسلمان خاتون ہونے کی وجہ سے تبادلہ کیا گیا‘

ایک جانب ہندوتوا تنظیمیں سوشل میڈیا پر بشریٰ بانو کی تقریر پر اعتراض کر رہی ہیں، تو دوسری جانب کئی مسلم تنظیموں نے ان کے تبادلے پر سوالات اٹھائے ہیں۔

بشریٰ بانو کی وائرل ویڈیو کے بعد اب مختلف ریاستوں کے متعدد پولیس افسران کی ویڈیوز بھی سوشل میڈیا پر سامنے آئی ہیں، جن میں انھیں وردی میں مذہبی تقریبات اور پوجا میں شریک دیکھا جا سکتا ہے۔ ان ویڈیوز پر بھی بحث شروع ہو گئی ہے، تاہم بی بی سی ان کی صداقت کی تصدیق نہیں کر سکا ہے۔ مغربی بنگال میں اپوزیشن کے رکنِ اسمبلی نوشاد صدیقی نے سوال اٹھایا ہے کہ ایک طرف بی جے پی حکومت مسلم خواتین کے حقوق کی بات کرتے ہوئے یونیفارم سول کوڈ نافذ کرنے کی تجویز پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف، ان کے بقول، ایک ایسی مسلم خاتون افسر کا ’غیر مناسب طریقے سے‘ تبادلہ کیا جا رہا ہے جو تعلیم یافتہ ہیں اور ایک باوقار عہدے پر عزت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ’انھوں نے صرف تین الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان الفاظ سے کسی دوسرے مذہب کے فرد کی دل آزاری نہیں ہوتی، اور نہ ہی یہ الفاظ ملک مخالف ہیں۔‘

آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین (اے آئی ایم آئی ایم) کے ترجمان اور سابق رکنِ اسمبلی وارث پٹھان نے ایک ویڈیو پیغام میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی قیادت والی مرکزی حکومت سے سوال کیا: ’کیا صرف اس لیے کہ وہ ایک مسلم آئی پی ایس افسر اور ایک خاتون ہیں، ان کا تبادلہ کر دیا گیا؟‘ انھوں نے مزید کہا کہ ’ہم نے دیکھا ہے کہ کتنے لوگوں نے وردی پہن کر پوجا اور آرتی کی ہے۔ کتنے اہلکاروں کو وردی میں کانوڑ یاترا کرنے والے عقیدت مندوں پر پھول برساتے دیکھا گیا ہے۔ اس وقت کسی نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟‘ ان کا کہنا تھا کہ جس طرح انڈیا کا آئین شہریوں کو ’جے ہند‘ کہنے کا حق دیتا ہے، اسی طرح ’السلام علیکم‘ کہنے کا بھی حق دیتا ہے۔ بشریٰ بانو کے تبادلے کے معاملے پر ممتا بنرجی کی جماعت ترنمول کانگریس کی رکنِ پارلیمان مہوا موئترا نے ایکس پر لکھا: ’ایک طرف برکس اجلاس میں ’نماز کے کمرے‘ بنا کر بی جے پی حکومت سیکولر تشخص پیش کر رہی ہے، اور دوسری طرف صرف ’السلام علیکم‘ اور ’جزاک اللہ‘ کہنے کی وجہ سے مسلم خاتون آئی پی ایس افسر ڈاکٹر بشریٰ بانو کو ایک طرف کیا جا رہا ہے۔‘ دوسری جانب، وردی میں قواعد و ضوابط کے حوالے سے مغربی بنگال پولیس کے ریٹائرڈ آئی پی ایس افسر جگموہن بھٹ نے بی بی سی سے گفتگو میں کہا کہ اپنے طویل کیریئر کے دوران انھوں نے افسران کو ’جے ہند‘ کے علاوہ کوئی اور سلام استعمال کرتے ہوئے نہیں سنا۔ انھوں نے کہا: ’چاہے ریاستی پولیس ہو، فوج ہو یا بارڈر سکیورٹی فورس، کسی بھی سرکاری ادارے یا فورس میں وردی پہننے والے افسر عموماً ’جے ہند‘ کہتے ہیں۔ وردی میں یہی سب سے عام سلام سمجھا جاتا ہے۔ ملازمت کے دوران ہم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کسی مذہبی نعرے، جیسے ’جے شری رام‘ یا ’رادھے رادھے‘ وغیرہ کا استعمال نہ کیا جائے۔‘

بشریٰ بانو کون ہیں؟

بشریٰ بانو کے لنکڈ اِن پروفائل کے مطابق، انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہیومن ریسورس مینجمنٹ (انسانی وسائل کے انتظام) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ پولیس سروس میں شامل ہونے سے پہلے وہ اتر پردیش حکومت میں ڈپٹی کلیکٹر کے طور پر خدمات انجام دے چکی ہیں۔ انھوں نے یو پی ایس سی سول سروسز امتحان دو مرتبہ کامیابی سے پاس کیا۔ پہلی مرتبہ امتحان میں کامیابی کے بعد انھوں نے انڈین ریلوے ٹریفک سروس میں کام کیا۔ دوسری مرتبہ یو پی ایس سی امتحان پاس کرنے کے بعد وہ انڈین پولیس سروس (آئی پی ایس) میں شامل ہوئیں اور اس وقت مغربی بنگال پولیس میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔

مسٹری ڈاک

رابیل امر

س_کیا ہم اپنی انگلیوں سے امراض کا پتہ لگا سکتے ہیں؟
ج_جی ہاں! ہر انگلی ایک عنصر (عنصر خاک، آتش، باد اور آب) کی نمائندگی کرتی ہے_ان کا درجہ حرارت بدلنا جسم کے اندرونی عدم توازن کا اشارہ ہے_

س_کان بجنے (Tinnitus) کا قدیم حل؟
ج_اپنے دونوں دانتوں کو آپس میں بھینچنا اور کانوں کے پیچھے مساج کرنا دماغی دباؤ کم کرتا ہے_

س_کیا تانبے کے برتن میں کھانا کھانا چاہیے؟
ج_تانبے کے برتن میں کھانا پکانا جگر کے لیے مفید ہے لیکن کھٹی چیزیں اس میں رکھنا زہر بن سکتا ہے_

س_جسمانی تھکن کا "پانی" سے علاج؟
ج_پاؤں کو نیم گرم نمک ملے پانی میں 15 منٹ ڈبو کر رکھنا پورے جسم کی تھکن زمین میں جذب کر دیتا ہے_

س_کیا پرانی تصاویر دیکھنا شفا دیتا ہے؟
ج_خوشگوار یادوں سے جڑی تصاویر دیکھنا جسم میں "ڈوپامین" پیدا کرتا ہے جو درد کش دوا کا کام کرتا ہے_

س_رات کو سرہانے پانی رکھنا کیوں ضروری ہے؟
ج_پانی ایک انرجی فلٹر ہے، یہ کمرے کی منفی لہروں کو جذب کر لیتا ہے، لیکن صبح وہ پانی پینا نہیں چاہیے_

س_کائنات کی آواز "اوم" یا گونج کا اثر؟
ج_گہری گونج والے الفاظ نکالنا پھیپھڑوں کے نچلے حصوں تک آکسیجن پہنچاتا ہے جو عام طور پر بند رہتے ہیں_

س_یادداشت بڑھانے کی بہترین مدرا؟
ج: "یاکینی مدرا"۔ دونوں ہاتھوں کی پوروں کو آپس میں جوڑیں، یہ تخلیقی سوچ اور حافظہ تیز کرتی ہے_
(دس سے پندرہ منٹ تک روز ایسا کر لینا چاہیے)

س_کمر درد کا ایکوپریشر پوائنٹ؟
ج_ ہاتھ کی پشت پر شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان والی ہڈی کے جوڑ کو دبانا کمر درد میں راحت دیتا ہے_

س_پھیپھڑوں کی صفائی کا آسن؟
ج_ "بھجنگ آسن" الٹا لیٹ کر سینے کو اوپر اٹھانا آکسیجن کی مقدار بڑھاتا ہے_

س_قبض کا فوری حل مدرا سے؟
ج_ "اپان مدرا" درمیانی دو انگلیوں کو انگوٹھے سے ملائیں_یہ فضلات کے اخراج میں مدد دیتی ہے_

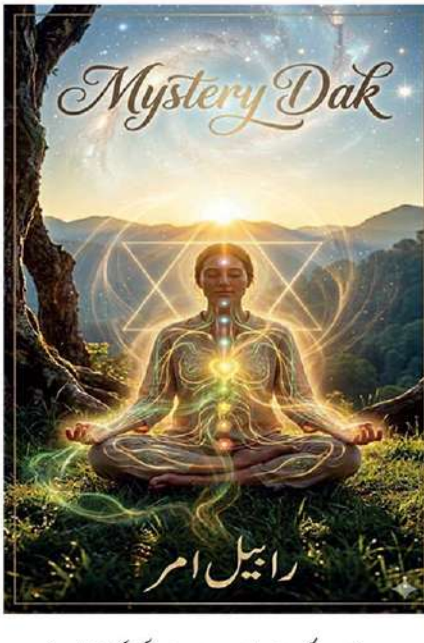

(یہ مدرا بھی روزانہ دس سے پندرہ منٹ تک کر لینا چاہیے)

س_ذہنی سکون کا جادوئی پوائنٹ؟
ج_ پیشانی کے بالکل درمیان (جہاں ہندو تلک لگاتے ہیں اور مسلمان سجدہ کرتے ہیں) انگوٹھے سے ہلکا سا دس سے پندرہ منٹ تک دباتے رہنا یا مساج کرتے رہنا سکون دیتا ہے_

س_پٹھوں کی مضبوطی کا یوگا؟
ج_ "ویربھدر آسن"
(Warrior Pose)
یہ ٹانگوں اور بازوؤں کے پٹھوں کو لوہا بناتا ہے_
(یہ آسن بھی دس سے پندرہ منٹ تک کرنا چاہیے)

س_نیند لانے کا ایکوپریشر؟
ج: پاؤں کے انگوٹھے کے ناخن کے نیچے والے حصے کا پانچ سے دس منٹ تک مساج کرنا گہری نیند لاتا ہے_

س_ہونٹوں کی سیاہی دور کرنے کا راز؟
ج_چقندر کا ایک ٹکڑا روزانہ ہونٹوں پر ملنا انہیں قدرتی گلابی رنگت دیتا ہے_

س_بالوں کی خشکی (Dandruff) کا حل؟
ج_ناریل کے تیل میں لیموں کا رس ملا کر جڑوں میں لگائیں، یہ فنگس کا خاتمہ کرتا ہے_

س_چہرے کی چمک کے لیے "ہلدی" کا ماسک کیسا رہتا ہے؟
ج_بیسن، ہلدی اور دودھ کا لیپ چہرے کی مردہ جلد (Dead skin) اتار کر رنگ نکھارتا ہے_

س_آواز میں اعتماد کیسے پیدا کریں؟
ج_آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں پڑھنا آپ کے صوتی خلیوں کو مضبوط کرتا ہے_

س_شخصیت کی کشش بڑھانے والا غسل؟
ج_ پانی میں گلاب کی پتیاں ڈال کر نہانا آپ کے ہالے (Aura) کو خوشگوار بناتا ہے_

س_ناخنوں کی صحت کا راز؟
ج_لہسن کا ایک جوا ناخنوں پر رگڑنا انہیں ٹوٹنے سے بچاتا ہے اور چمکدار بناتا ہے_

س_حسن کا باطنی نچوڑ؟
ج_نیند۔ روزانہ 7 گھنٹے کی نیند چہرے پر وہ رونق لاتی ہے جو مہنگی ترین کریمیں نہیں لا سکتیں_
(نیند کا بہترین دورانیہ رات گیارہ بجے سے چار بجے تک کا ہے)

پاکستانی خواتین میں تیزی سے مقبول ہوتی الیکٹرک سکوٹی:

'اس سواری نے مجھے خودمختار بنایا ہے'

'مجھے وہ دن یاد ہے جب میرے والد نے مجھے پہلی بار موٹر سائیکل چلانا سکھائی اور موڑ کاٹتے ہوئے میں نے توازن کھو دیا اور گر گئی۔' مگر اس حادثے کے باوجود صوبہ پنجاب کے شہر فیصل آباد سے تعلق رکھنے والی عرینہ سات سال قبل لیے گئے اپنے اس فیصلے پر انتہائی خوش ہیں کیونکہ اس سے ان کی زندگی بدل گئی۔

وہ یاد کرتی ہیں کہ 'جب میں پہلی مرتبہ گری تو میں نے دل برداشتہ ہو کر اپنے والد کو کہا کہ میں نے نہیں سیکھنی۔ اس پر انھوں نے مجھ سے کہا کہ 'بیٹا جو بھی کام شروع کرو، اسے ہمیشہ پورا کرو۔ اب اگر تم نے موٹر سائیکل سیکھنی شروع کی ہے تو اس کام کو بھی پورا کرو۔' عرینہ کہتی ہیں کہ والد کی بات پر عمل کرتے ہوئے 'آج مجھے سات سال ہو گئے ہیں اور اس سواری نے مجھے خود مختار بنایا ہے۔ میں کالج موٹر سائیکل پر جاتی تھی، پھر میں نے یونیورسٹی اور باقی روزمرہ کے کام اسی بائیک پر کیے۔ اب میں نوکری پر آنے جانے کے لیے بھی اسے ہی استعمال کرتی ہوں۔' اس کے بعد انھوں نے اپنی چھوٹی بہن سمیت دیگر کئی خواتین کو بھی سکوٹی چلانا سکھائی ہے۔ سات سال پہلے جب عرینہ سڑک پر بائیک لے کر نکلتی تھیں تو اس وقت ایک، دو خواتین ہی انھیں موٹر سائیکل چلاتے نظر آتی تھیں۔ مگر اب درجنوں لڑکیاں سکوٹیز چلاتی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس سے ان سمیت کئی لڑکیوں کا حوصلہ بڑھا ہے۔

پاکستان میں موٹر سائیکلز کی خرید و فروخت کے اعداد و شمار کے مطابق سال 2026 کے پہلے چھ مہینوں میں الیکٹرک سکوٹیز کی فروخت میں اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ اس وقت پاکستان میں تقریباً 47 مختلف برانڈز کی کمپنیاں الیکٹرک سکوٹیز فروخت کر رہی ہیں۔

بائیک اور سکوٹی چلانے والی لڑکیاں

موٹر سائیکل ڈیٹا ریسرچ کے مطابق پہلے صارفین اگر الیکٹرک سکوٹر استعمال کرنا چاہتے تھے تو انھیں ایسی مصنوعات پاکستان کے باہر سے امپورٹ کرنا پڑتی تھیں۔

تاہم اب حکومت پاکستان نے ایک قومی حکمت عملی کا آغاز کرتے ہوئے پاکستان ایکسلریٹڈ وہیکل الیکٹریفکیشن (PAVE) پالیسی کا آغاز کیا جس کے بعد الیکٹرک وہیکل کے استعمال میں اضافہ ہوا۔ اس کا مقصد کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کو کم کرنا اور برقی نقل و حرکت کی طرف منتقلی کو تیز کرنا تھا۔ اس سکیم کے تحت الیکٹرک موٹر سائیکلوں اور آٹو رکشوں کی خریداری پر 20 فیصد تک سبسڈی فراہم کی گئی جبکہ بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے بلاسود فنانسنگ کی سہولت دی گئی۔

اس سے مینوفیکچررز اور صارفین دونوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ای وی برانڈز کی بڑھتی ہوئی تعداد، اس کی فروخت اور دستیابی میں نمایاں اضافہ ہوا۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے سکوٹی چلانے والی زیادہ تر خواتین نے بتایا کہ اس سے ان کی زندگیاں کافی حد تک تبدیل ہوئی ہیں۔

رابعہ کہتی ہیں کہ 'مجھے سکوٹی چلانا میرے شوہر نے سکھایا ہے۔ ایک تو اسے چلانا اور سیکھنا آسان تھا اور دوسرا میرے شوہر میرے بیٹے کے سکول سے کافی دور نوکری پر جاتے تھے۔ پہلے ہم نے اسے وین لگوا کر دی تھی لیکن کبھی وہ چھٹی کر لیتا تھا تو کبھی لیٹ ہو جاتا تھا جبکہ رکشہ ہمیں خاصا مہنگا پڑتا تھا۔' 'اس لیے انھوں نے کہا کہ تم سکوٹی لے لو، میں سکھا دوں گا۔ سکوٹی لینے کے بعد ہماری زندگی اچھے انداز میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی۔'

ان کے مطابق 'میں نے اپنے بیٹے کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کے کپڑوں کے برانڈ کا کاروبار بھی شروع کر دیا۔ اس کے لیے دکانوں پر جانا، سارا کام کرنا اور گھر کے بھی کاموں کے لیے میں نے سکوٹی استعمال کرنی شروع کر دی۔ اس سے نہ صرف میں خود مختار ہوئی بلکہ میں نے اپنا کاروبار بھی شروع کر لیا۔'

رابعہ جیسی سینکڑوں خواتین ہیں جنھوں نے سکوٹی اس لیے خریدی کیونکہ اس سے ان کی زندگی میں سواری کی خودمختاری آئی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے زیادہ تر خواتین کا کہنا تھا کہ انھوں نے سکوٹی خریدنے کو ترجیح اس لیے دی کیونکہ ایک تو یہ با آسانی سیکھی جا سکتی ہے، دوسرا پیٹرول کے خرچے سے بچا جا سکتا ہے۔

'ہم اسے بجلی پر چارج کرتے ہیں اور اب تو زیادہ تر گھروں میں سولر کی سہولت بھی موجود ہے۔ اس لیے یہ سواری ہمارے لیے ایک لحاظ سے مفت ہی ہے۔'

آمنہ اور عائشہ نے بھی بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ وہ سکوٹی کا استعمال کالج آنے جانے کے لیے کرتی ہیں جبکہ انھیں اس کا استعمال اس وجہ سے اچھا لگتا ہے کہ ان کے کالج میں آنے والی زیادہ تر لڑکیاں اب سکوٹی کا استعمال کر رہی ہیں۔

سکوٹی چلاتی لڑکیوں کو کس قسم کے رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

لاہور سے تعلق رکھنے والی آصفہ کا کہنا ہے کہ لڑکیاں بڑی تعداد میں سڑکوں پر سکوٹی چلاتے ہوئے نظر آتی ہیں تاہم اس کے باوجود 'مرد اپنے ساتھ سکوٹی چلاتی ہوئی خاتون کو ایک مرتبہ مڑ کر ضرور دیکھتے ہیں۔'

وہ لڑکیوں کو سڑکوں پر درپیش مسائل پر بات کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ 'جب ہم سکوٹی چلا رہے ہوتے ہیں تو زیادہ تر مردوں کا دھیان اس بات پر ہوتا ہے کہ سڑک پر کوئی لڑکی ہم سے آگے نہ نکل جائے۔'

ہمنا نے بھی اسی قسم کے رویوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ 'ویسے تو ہمیں چاہیے کہ سڑک پر گاڑی اور موٹر سائیکل چلاتے ہوئے تحمل کا مظاہرہ کریں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم صبر نہیں کرتے ہیں۔'

انھوں نے شکوہ کیا کہ 'ہم عورتوں کے بارے میں آرام سے یہ بات کر دیتے ہیں کہ وہ تو گاڑی ہو یا سکوٹی، خراب ہی چلاتی ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی اشارے پر آپ کھڑے ہیں تو وہاں سب سے زیادہ بے صبری کا مظاہرہ مرد حضرات کرتے ہیں۔ اشارہ بند بھی ہو گا تو بھی وہ فٹ پاتھ پر موٹر سائیکل چڑھا کر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ایسی حرکت عورتوں کو کرتے دیکھا ہے؟'

فیصل آباد سے تعلق رکھنے والی عائشہ کم عمر ہیں لیکن انھوں نے جووینائل لائسنس کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ ان کے مطابق ان کے گھر میں کوئی مرد موجود نہیں ہے جبکہ وہ اپنی تین بڑی بہنوں اور والدہ کے ساتھ رہتی ہیں۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ 'میری بہنیں گھر سے زیادہ نہیں نکلتی ہیں۔ جبکہ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کے لیے میری والدہ کو جانا پڑتا تھا یا پھر وہ محلے کے کسی بچے کو کہتی تھیں۔ میں نے اپنی امی کو کہا کہ آپ مجھے سکوٹی لے دیں۔'

ان کے مطابق 'پہلے تو وہ مان نہیں رہی تھیں لیکن پھر انھوں نے جب دیکھا کہ اب اتنی لڑکیاں سکوٹی چلا رہی ہیں تو وہ مان گئیں اور انھوں نے مجھے سکوٹی لے دی۔ اب گھر کے اور باہر کے سارے کام میں خود جا کر کرتی ہوں اور سکول جانے کے لیے بھی سکوٹی کا ہی استعمال کرتی ہوں۔'

انھوں نے مزید بتایا کہ جب وہ سڑک پر جاتی ہیں تو انھیں کافی مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ان مسائل کا اپنے گھر میں ذکر نہیں کرتی ہیں۔

'جب میں سکوٹی چلا رہی ہوتی ہوں تو اکثر لڑکے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ عجیب عجیب جملے کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ اچھے کمنٹس بھی کرتے ہیں کہ شاباش بیٹا، تم بہت اچھی بائیک چلاتی ہو۔' جہاں ایک طرف سکوٹی چلانے والی خواتین کو سڑک پر مختلف قسم کے ردِعمل اور رویوں کا سامنا ہوتا ہے، وہیں دوسری جانب انھیں سوشل میڈیا پر بھی ملے جلے ردِعمل کا سامنا ہے۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کئی خواتین نے سوشل میڈیا پر ہونے والی ٹرولنگ کے بارے میں بتایا۔

ان کا کہنا تھا کہ 'جب ہم اپنی کوئی ویڈیو سوشل میڈیا پر لگاتے ہیں تو کافی منفی کمنٹس آتے ہیں جن سے ہمارا حوصلہ پست ہوتا ہے۔'

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے فرح کا کہنا تھا کہ 'ہمیں کہا جاتا ہے کہ خواتین کہتی ہیں کہ یہ ویمن امپاورمنٹ ہے۔ یہ کیسی ویمن امپاورمنٹ ہے؟ ایسے سوال پوچھنے والے مردوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں جس طرح عورت کو دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر ہم ان کو اتنی اجازت ہی دے دیں اور سکون سے انھیں سڑکوں پر بائیک چلانے دیں تو ہمارے لیے اس سے بڑی امپاورمنٹ کوئی نہیں ہے۔' انھوں نے مزید کہا کہ 'آپ یہ دیکھیں کہ ہمیں کہیں جانے کے لیے کسی کی منت نہیں کرنا پڑتی۔ اور مرد یہ بات کیوں نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ سڑکیں جتنی ان کی ہیں اتنی ہی عورتوں کی بھی ہیں۔' فرح جیسی تمام خواتین پاکستان کے مختلف شہروں میں دیگر سکوٹی یا بائیک چلانے والی خواتین سے ملتی ہیں اور علامتی طور پر ٹریفک پولیس کے بتائے ہوئے روٹ پر چل کر بڑی تعداد میں ریلی نکالتی ہیں۔

ان ریلیوں کے منتظمین کے مطابق یہ ریلیاں اس لیے نکالی جا رہی ہیں تا کہ 'ہم جیسی بائیک چلانے والی خواتین کا حوصلہ بڑھ جائے۔ ہم ایسے میٹ اینڈ گریٹ رکھتے ہیں جو ان خواتین کے مددگار ثابت ہوں جو اپنی خود مختار سواری کا استعمال کرتے ہوئے اپنی زندگی میں آگے بڑھ سکیں۔'

محمد رضوان کی اپنے خلاف تحقیقات روکنے کی درخواست خارج:

'رات ایک بجے ہوٹل لابی میں بُلا کر موبائل فون ضبط کیا گیا'

پاکستان کے صوبہ پنجاب میں لاہور ہائی کورٹ نے پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان محمد رضوان کی جانب سے دائر کردہ یہ درخواست مسترد کر دی ہے کہ نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (این سی سی آئی اے) کو ان کے خلاف کارروائی سے روکا جائے۔

عدالت نے درخواست گزار کو حکم دیا ہے کہ وہ این سی سی آئی اے کے جاری کیے گئے نوٹس کا جواب دیں۔ واضح رہے کہ برطانیہ میں کھیلے گئے لارڈز ٹیسٹ میں شکست کے بعد پاکستان کرکٹ بورڈ نے سکواڈ میں شامل سات کھلاڑیوں کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان میں محمد رضوان، امام الحق، سلمان آغا، علی عثمان، عامر جمال، اویس ظفر اور خرم شہزاد شامل تھے۔ جبکہ پاکستان کرکٹ بورڈ (پی سی بی) نے 'نظم و ضبط اور رویے سے متعلق میڈیا رپورٹس کے پیش نظر ایک اندرونی تادیبی تحقیقات' کا آغاز کیا تھا۔ ستمبر کے اوائل میں پاکستان کے مختلف ذرائع ابلاغ پر یہ خبریں چل رہی تھیں کہ انگلینڈ کے خلاف سیریز کے دوران پی سی بی نے کچھ کھلاڑیوں کے موبائل فونز تحویل میں لیے تھے اور انھیں این سی سی آئی اے کے حوالے کیا گیا تھا۔ تاہم پی سی بی نے اس معاملے پر تاحال کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ اپنی درخواست میں محمد رضوان نے عدالت سے یہ استدعا کی تھی کہ ان کا موبائل فون اور دیگر سامان واپس دلایا جائے جو این سی سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔

مختصر سماعت کے بعد درخواست مسترد

لاہور ہائی کورٹ کی چیف جسٹس عالیہ نیلم نے قومی کرکٹر محمد رضوان کی جانب سے دائر اس درخواست کی سماعت کی۔ اس موقع پر ان کے وکیل قاضی عمیر علی نے عدالت کو بتایا کہ ان کے موکل کو این سی سی آئی اے کی جانب سے کرکٹ میں مبینہ سٹے بازی اور جوئے میں ملوث ہونے کے الزام پر نوٹس جاری کیا گیا ہے۔ اس پر چیف جسٹس عالیہ نیلم نے درخواست گزار کے وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ انھیں جا کر نوٹس کا جواب دینا چاہیے۔ قاضی عمیر علی نے موقف اختیار کیا کہ ان کے موکل کو 10 ستمبر کو نوٹس جاری کیا گیا تھا، جس کی تعمیل بھی کر دی گئی ہے۔ اس پر عدالت نے سوال کیا کہ پھر وہ عدالت میں کیا لینے آئے ہیں؟ سماعت کے دوران عدالت نے محمد رضوان کے وکیل سے پوچھا کہ موصول ہونے والے نوٹس اور لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی گئی درخواست کی فائل کہاں ہے۔ قاضی عمیر علی نے بتایا کہ متعلقہ فائل ان کے جونیئر وکیل کے پاس ہے۔ اس پر عدالت نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ عدالت میں پیش ہوئے ہیں تو کم از کم مقدمے کی فائل ان کے پاس ہونی چاہیے تھی۔ محمد رضوان کے وکیل مزید دلائل دینا چاہتے تھے، تاہم عدالت نے ابتدائی سماعت کے بعد درخواست مسترد کرتے ہوئے انھیں ہدایت کی کہ وہ این سی سی آئی اے کی جانب سے جاری کیے گئے نوٹس کا جواب دیں۔

محمد رضوان نے عدالت سے کیا استدعا کی تھی؟

اپنی درخواست میں محمد رضوان نے بتایا ہے کہ انگلینڈ اور پاکستان کے درمیان 27 تا 30 اگست تک کھیلے گئے لارڈز ٹیسٹ میچ کے فوراً بعد انھیں رات ایک بجے اُس ہوٹل کی لابی میں طلب کیا گیا جہاں پوری ٹیم مقیم تھی۔ درخواست کے مطابق 'وہاں ایک افسر موجود تھا جو بظاہر کسی سرکاری ادارے سے تعلق رکھتا تھا۔' درخواست میں محمد رضوان کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی پیشگی نوٹس نہ ہونے کے باوجود مذکورہ افسر نے ان سے پوچھ گچھ کی اور ان کا موبائل فون بغیر کسی وجہ یا جواز فراہم کیے تحویل میں لے لیا۔ درخواست میں درج ہے کہ محمد رضوان نے اپنا فون اس یقین دہانی پر حوالے کیا تھا کہ ڈیوائس کا مکمل معائنہ کیا جائے گا اور اسے اگلے تین گھنٹوں کے اندر واپس کر دیا جائے گا۔ محمد رضوان کی جانب سے دائر درخواست میں وزارت داخلہ اور این سی سی آئی اے کو فریق بنایا گیا ہے۔ درخواست میں موقف اختیار کیا گیا کہ این سی سی آئی اے کی جانب سے جاری کیے گئے نوٹس میں ان پر سٹے بازی کے الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ درخواست گزار نے موقف اپنایا کہ نوٹس میں لگائے گئے تمام الزامات نہ صرف جھوٹے ہیں بلکہ حقائق پر بھی مبنی نہیں ہیں۔ درخواست میں یہ بھی کہا گیا کہ نوٹس کا مقصد کرکٹر محمد رضوان کی ساکھ کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ درخواست میں خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ این سی سی آئی اے کے حکام نوٹس یا انکوائری کی آڑ میں درخواست گزار کو حراست میں لے سکتے ہیں یا گرفتار کر سکتے ہیں۔ درخواست میں لاہور ہائی کورٹ سے استدعا کی گئی تھی کہ نہ صرف اس نوٹس بلکہ اس کے بعد شروع کی جانے والی انکوائری کو بھی غیر قانونی قرار دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی گئی کہ محمد رضوان کا موبائل فون اور دیگر سامان واپس دلایا جائے جو این سی سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔ لاہور میں این سی سی آئی اے کے حکام نے کرکٹرز محمد رضوان اور امام الحق کو 10 ستمبر کو طلب کیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے تک پوچھ گچھ کے بعد دونوں کرکٹرز کو جانے کی اجازت دے دی گئی تھی، تاہم این سی سی آئی اے کے حکام نے ان کے زیرِ استعمال موبائل فون اپنی تحویل میں لے لیے تھے۔

وائٹل سائنز:

وہ بینڈ جو ختم ہونے کے 26 سال بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے لوک ورثہ میں حال ہی میں ہونے والے ایک کنسرٹ میں گلوکار و موسیقار رضوان الحق کو ایک ایسی چیز نے حیران کر دیا جس کی شاید انھیں خود بھی توقع نہیں تھی۔

وہ ساتھی موسیقار و گلوکار عباس علی خان کے ساتھ ایک شو میں بطور سابق میوزیشن وائٹل سائنز شریک تھے اور بینڈ کے چند گانے پیش کرنے آئے تھے۔

ان کے ہاتھ میں صرف ایک اکوسٹک گٹار تھا مگر سامنے موجود سامعین کی یادداشت شاید کسی مکمل آرکسٹرا سے بھی زیادہ طاقتور تھی۔

بی بی سی اردو سے گفتگو میں رضوان الحق نے بتایا کہ 'میں سٹیج پر صرف ایک اکوسٹک گٹار لے کر گیا تھا، لیکن جو چیز مجھے حیران کر گئی وہ یہ تھی کہ ہال میں موجود تقریباً ہر شخص کو وائٹل سائنز کے گانوں کے بول لفظ بہ لفظ یاد تھے۔ لوگ شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ گا رہے تھے۔'

مقبول گانے ہیں، جہاں انھیں 'سانولی سلونی'، 'گورے رنگ کا زمانہ'، 'یہ شام'، 'اعتبار' اور 'تیرے لیے ہے میرا دل' جیسے رومانوی گیتوں پر عبور حاصل تھا، وہیں ان کے پاپ گانے 'میرا دل نہیں او ویلو بل'، 'وہ کون تھی'، 'دو پل کا جیون' اور 'دل ڈھونڈتا ہے' آج بھی مقبول ہیں۔

لیکن وائٹل سائنز کی اصل پہچان تھے ان کے ملی نغمے، 'دل دل پاکستان' کے بعد انھوں نے دوسری البم میں ایئر فورس سانگ 'ایسے ہم جئیں' ریلیز کیا، جب کہ تیسرے البم میں 'یہی زمیں' چوتھے میں 'ہم ہیں پاکستانی' اور سب سے آخر میں ان کا ریلیز ہونے والا گیت 'مولا' آج بھی دنیا بھر میں پاکستانیوں کو وطن کی یاد دلاتا ہے۔

وائٹل سائنز کے فاؤنڈنگ ممبر شہزاد شاہی حسن نے بی بی سی اردو سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ جب انھوں نے وائٹل سائنز کا آغاز کیا تھا، تو یہ چند نوجوان دوستوں کا ایک خواب تھا، لیکن انھیں یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ

سے بطور اسائنمنٹ دی گئی تھی۔ انھیں اور ان کے ساتھی طلبہ کو بتایا گیا تھا کہ جس طالب علم کی میوزک ویڈیو بہترین ہوگی، اسے ٹی وی پر نشر کیا جائے گا، اور یوں 1986 میں 'چہرہ میرا تھا' وائٹل سائنز ہی نہیں، کسی بھی پاکستانی بینڈ کا پہلا گانا بنا جو ٹی وی پر نشر ہوا۔'

ٹی وی پر بطور میوزک بینڈ ڈیبیو کے بعد وائٹل سائنز جہاں شائقین کی نظروں میں آ گئے، وہیں ان کے خاندان والوں کو بھی ان کے ٹیلنٹ کا علم ہو گیا، جن میں زیادہ تر افراد کا

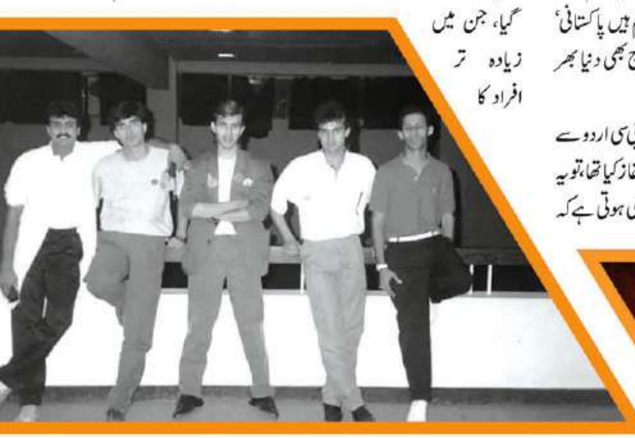

ان کے مطابق 'سب سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ اُن لوگوں کے ساتھ اُن کے بچے بھی موجود تھے جن کی عمریں 25 سے 30 سال کے درمیان تھیں اور وہ بھی ان گانوں سے اتنی ہی واقفیت رکھتے تھے۔'

اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

وائٹل سائنز کو ختم ہوئے دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ بینڈ کے مستقل رکن جنید جمشید اور غیر مستقل رکن عامر ذکی اب اس دنیا میں نہیں رہے، بینڈ کا آخری البم تقریباً 30 سال قبل ریلیز ہوا تھا مگر 'دل دل پاکستان'، 'گورے رنگ کا زمانہ'، 'سانولی سلونی' اور 'اعتبار' جیسے گانے اب بھی نئی نسلوں تک پہنچ رہے ہیں۔

تو آخر ایسا کیوں ہے؟

وائٹل سائنز کا شمار پاکستان کے ان میوزک بینڈز میں ہوتا ہے جن کی کامیابی کی وجہ سے پاپ میوزک پروان چڑھی، اور کے بعد دیگرے کئی نئے میوزک بینڈ سامنے آئے۔

بینڈ کا پہلا گانا 'چہرہ میرا تھا' 1986 میں پی ٹی وی پر نشر ہوا تھا جس کے ایک سال بعد انھوں نے 'دل دل پاکستان' دے کر دنیائے موسیقی میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ یہی نہیں، 1989 سے 1995 کے دوران دو دو سال کے وقفے کے بعد سے چار کامیاب البم نکالنے والے اس بینڈ کے کریڈٹ پر کئی

ان کے گانے آج بھی مقبول ہیں۔

بقول شہزاد شاہی، وہ اور ان کے ساتھ بچپن سے ہی مغربی بینڈز کو سنتے ہوئے بڑے ہوئے، انھیں ہمیشہ میوزیکل بینڈز کا تصور پسند تھا کیونکہ اُس وقت پاکستان میں کوئی معروف یا مرکزی دھارے کا میوزک گروپ یا بینڈ موجود نہیں تھا۔

'اسی لیے 1985 میں انھوں نے اپنے دوستوں روحیل حیات، اور نصرت حسین کے ساتھ مل کر وائٹل سائنز تشکیل دیا۔ اُس وقت جنید بینڈ کا حصہ نہیں تھے، وہ کچھ ہی عرصے بعد ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔'

شہزاد شاہی حسن کہتے ہیں کہ اس زمانے میں پاکستان میں پاپ موسیقی موجود تو تھی، مگر بینڈ کلچر تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔

'اُس دور میں پاپ میوزک بمشکل ٹی وی پر نظر آتا تھا۔ درحقیقت، پی ٹی وی کے نزدیک میوزیکل گروپس اور بینڈز پاکستانی ثقافت کا حصہ نہیں سمجھے جاتے تھے، جس کی وجہ سے بینڈز کے ٹی وی پر آنے کا تصور ہی موجود نہیں تھا۔' ان کے مطابق صورتحال اس وقت تبدیل ہوئی جب پی ٹی وی اکیڈمی کی ایک نوجوان ہدایت کارہ رعنا کنول نے ان سے رابطہ کیا۔

'رعنا کنول ایک میوزک ویڈیو بنانا چاہتی تھیں جو انھیں پی ٹی وی اکیڈمی کی جانب

تعلق مسلح افواج جیسے آرمی اور ائیر فورس سے تھا۔

بقول شاہی حسن، جب ان کے خاندان والوں نے گروپ کی کامیابی دیکھی تو انھیں احساس ہوا کہ وائٹل سائنز میں واقعی کچھ خاص بات ہے۔ بعد میں ہمارے خاندانوں نے بھرپور حمایت کی۔

یہاں شاہی حسن نے وائٹل سائنز کے ایک ایسے ممبر کا بھی ذکر کیا جس نے ان کے گروپ کو ہمیشہ بہتر سے بہتر کام کرنے کی ترغیت دی اور یہ کوئی اور نہیں تھے بلکہ پی ٹی وی پروڈیوسر شعیب منصور تھے جنھوں نے 'دل دل پاکستان' کی میوزک ویڈیو بھی بنائی تھی۔

'وائٹل سائنز دراصل چار افراد پر مشتمل تھا، جنید، روحیل، میں اور شعیب منصور۔ شعیب صاحب کا کردار کسی بھی بینڈ ممبر کے برابر بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔'

شعیب منصور نے نہ صرف وائٹل سائنز کے زیادہ تر گیت لکھے بلکہ اپنے پروگرام 'گیٹار 93' کے ذریعے گروپ کی مقبولیت کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ایک ہٹ بینڈ میں شامل ہونے کا تجربہ

وائٹل سائنز کے پہلے البم کی کامیابی کے بعد جب سلمان احمد بینڈ چھوڑ

کرجنون بنانے چلے گئے تو ان کی جگہ رضوان الحق نے سنبھالی۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جس وقت وہ وائٹل سائنز کا حصہ بنے اس وقت وہ پاکستان کا سب سے بڑا پاپ بینڈ بن چکا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ برطانیہ سے تعلیم مکمل کر کے واپس آئے تھے اور عام ملازمت کا سوچ رہے تھے مگر حالات نے انھیں موسیقی کی طرف موڑ دیا۔

’روحیل میرے پرانے دوست تھے، ہم سکول میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ جنید سے بھی میری بہت اچھی دوستی تھی، جب وائٹل سائنز کا وجود بھی نہیں تھا تب جنید اور میں کھیل سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کلب میں شوقیہ پرفارم کیا کرتے تھے۔‘

’جب روحیل کو معلوم ہوا کہ میں واپس پاکستان آ گیا ہوں تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں بینڈ جوائن کرنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ ظاہر ہے، میں بہت خوش ہوا۔‘

لیکن ایک ایسے بینڈ میں شامل ہونا جو پہلے ہی مقبولیت کی بلندیوں پر ہو، آسان نہیں تھا۔

’یقیناً مجھ پر دباؤ تھا کیونکہ میں ایک ایسے بینڈ میں شامل ہو رہا تھا جو پہلے ہی بہت مشہور تھا، جبکہ میری اپنی کوئی خاص پہچان نہیں تھی۔ تاہم روحیل، شاہی اور جنید نے میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ’آرام سے رہو، موسیقی سے لطف اٹھاؤ اور اپنا کام کرو۔‘

وائٹل سائنز آج بھی کیوں زندہ ہے؟

شاہی حسن کہتے ہیں کہ جب وہ یہ گانے بنا رہے تھے تو انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ دہائیوں بعد بھی لوگ انھیں اسی طرح سنیں گے۔

’ہم میں سے کسی نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ریلیز کے کئی عشروں بعد بھی یہ گانے مقبول رہیں گے اور نئی نسلوں کے دلوں کو اسی طرح چھوتے رہیں گے۔‘

رضوان الحق کے خیال میں اس کی وجہ صرف یادیں نہیں بلکہ موسیقی کی وہ بنیاد ہے جو بینڈ نے قائم کی۔

وہ کہتے ہیں کہ ’میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ ’لیگیسی‘ ہے۔ وائٹل سائنز صرف ایک بینڈ نہیں بلکہ ایک ورثہ بن چکا ہے۔‘

ان کا مزید کہنا تھا کہ روحیل، شاہی اور جنید نے تیس پینتیس سال پہلے ایسی موسیقی تخلیق کی جو وقت کی قید سے آزاد ہے۔ شعیب منصور صاحب نے ایسے گیت لکھے اور روحیل نے ایسی دھنیں ترتیب دیں جو آج بھی دلوں میں زندہ ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ نئی نسل تک اس موسیقی کے منتقل ہونے میں خاندانوں کا بھی کردار رہا۔

’یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری نسل کے لوگوں نے اپنے بچوں کو بھی یہ موسیقی سنائی۔ اس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک یہ گانے منتقل ہوتے گئے۔ وائٹل سائنز کی موسیقی ہمیشہ منفرد رہی، ہمارا انداز دوسروں سے مختلف تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی نوجوان نسل ان گانوں کو پسند کرتی ہے۔‘

’ہم وائٹل سائنز کی ارینجمنٹس سن سن کر سیکھتے تھے‘

اگر وائٹل سائنز کے اثرات کا اندازہ لگانا ہو تو شاید بلال مقصود کی باتیں سب سے بہتر مثال ہیں۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے ’سٹرنگز‘ کے رکن بلال مقصود کہتے ہیں کہ پاکستان میں پاپ موسیقی پہلے بھی موجود تھی، مگر بینڈ کلچر کو مقبول بنانے کا سہرا وائٹل سائنز کو جاتا ہے۔

’وائٹل سائنز کا اثر پاکستانی میوزک پر بہت گہرا ہے۔ وائٹل سائنز کے آنے سے پہلے وہ کونسپٹ ہی نہیں تھا کہ ایک بینڈ ٹی وی پر پرفارم کر رہا ہو۔‘ وہ مزید کہتے ہیں کہ پاپ میوزک پر کام پہلے سے ہو رہا تھا۔ نازیہ حسن اور زوہیب حسن تھے، عالمگیر صاحب تھے، اور اگر آپ فلموں میں چلے جائیں تو احمد رشدی کے گانے بھی اپنے زمانے کی پاپ موسیقی تھے لیکن ایک بینڈ کا تصور، وہ وائٹل سائنز کے آنے کے بعد ہی آیا‘

وائٹل سائنز آج بھی زندہ کیوں ہیں، بلال مقصود کے خیال میں اس کے پیچھے شعیب منصور کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

’وہ شعیب منصور ہی تھے جنھوں نے جس وائٹل سائنز کے ٹیلنٹ کو پہچانا، اور ان سے آئیکونک ’دل دل پاکستان‘ بنوایا،

بینڈ کی کامیابی میں جہاں وائٹل سائنز کے ٹیلنٹ کا ہاتھ ہے وہیں شعیب منصور کی محنت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔‘

بلال مقصود کے مطابق سٹرنگز سمیت بہت سے بینڈز نے وائٹل سائنز سے براہ راست سیکھا۔

’مجھے یاد ہے کہ جب ہم لوگ اپنے پہلے البم کے گانے بنا کر سیکوئنس کر رہے ہوتے تھے تو وائٹل سائنز کی ارینجمنٹس سن سن کے دیکھتے تھے کہ اچھا یہاں پہ روحیل نے کیا کیا ہوا ہے، کی بورڈز کیا کام کر رہے ہیں، گٹارز کیسے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمارے لیے ایک لرننگ تھی۔‘

وہ کہتے ہیں کہ وائٹل سائنز نے مغربی موسیقی کو پاکستانی نوجوانوں کے لیے قابل رسائی بنا دیا تھا۔

’مغربی گانے سن کر ہم سب بڑے ہوئے تھے لیکن وائٹل سائنز کی وجہ سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ میوزک یہیں تخلیق ہوا ہے، ایسا نہیں لگتا تھا کہ یہ کوئی بہت انوکھا خیال ہے۔ ہمیں لگتا تھا کہ اب یہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔‘

بلال مقصود ایک واقعہ بھی یاد کرتے ہیں جب سٹرنگز بینڈ نیا نیا سامنے آیا تھا۔

’ہم اپنے گانے ’جب سے تم کو میں نے دیکھا ہے‘ کی ویڈیو آن ایئر ہونے کے بعد وائٹل سائنز کا کنسرٹ دیکھنے گئے ہوئے تھے، کنسرٹ کے دوران جنید نے سٹیج پر نہ صرف ہمارا نام لیا بلکہ ہمارے گانے کی تعریف بھی کی، جو ہمارے لیے اس لیے سرپرائز تھا کیوں کہ اس سے قبل ہماری ان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔‘

’موسیقی میں میری پہلی محبت وائٹل سائنز تھے‘

گلوکار اور اداکار ہارون شاہد کا تعلق اس نسل سے ہے جو وائٹل سائنز کو سن کر بڑی ہوئی، بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے سمت بینڈ کے گلوکار اور شعیب منصور کی فلم ’ورنہ‘ کے ہیرو کا کہنا تھا کہ وائٹل سائنز ان کی پہلی محبت تھی۔

’اگر میں نے کسی پاپ بینڈ کو سب سے پہلے پسند کیا تو وہ وائٹل سائنز تھا۔ زندگی کا پہلا کنسرٹ بھی میں نے انھی کا دیکھا تھا۔ اس حساب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ موسیقی میں میری پہلی محبت وائٹل سائنز تھے۔‘

ہارون شاہد کے مطابق تقریباً پانچ دہائیاں گزرنے کے باوجود بینڈ کی مقبولیت کی وجہ اس کے کام کا معیار ہے۔

’وائٹل سائنز نے جو کام کیا، بہترین معیار کا کیا۔ گانے لکھنے سے کمپوز کرنے تک، ان کی میلوڈیز اور ارینجمنٹس سے ویژول ڈائریکشنز تک، سب بہت مضبوط تھیں اسی لیے ان کا کام آج بھی مقبول ہے۔‘

ہارون شاہد کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ خود کو خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنے ہیروز کے ساتھ کام کرنے کا موقع بھی ملا۔ وہ روحیل حیات کے ساتھ کوک سٹوڈیو میں کام کر چکے ہیں، شاہی حسن نے ان کے بینڈ کے پہلے البم کی ماسٹرنگ کی جب کہ جنید جمشید سے ان کی ایک یادگار ملاقات ہوئی۔ تاہم ان کے نزدیک وائٹل سائنز کی کہانی شعیب منصور کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

’عام طور پر لوگ بھول جاتے ہیں کہ سامنے تو چند لوگ نظر آتے تھے، لیکن شعیب منصور صاحب کو بھی وہ کریڈٹ ملنا چاہیے جو ان کا حق ہے۔ میرے خیال میں وہ پاکستان کے سب سے بڑے پاپ نغمہ نگار ہیں۔‘

شاید یہی وجہ ہے کہ وائٹل سائنز کے ختم ہونے کے برسوں بعد بھی اس کے گانے صرف یاد نہیں کیے جاتے بلکہ گائے بھی جاتے ہیں اور صرف وہ لوگ نہیں گاتے جنھوں نے یہ گانے ریلیز ہوتے وقت سنے تھے بلکہ ان کی اولادیں بھی۔

جہانگیر

وہ مغل بادشاہ جنھوں نے اپنے نشوں کا اعتراف بے باکی سے کیا

'میں نے سلطنت (ملکہ) نور جہاں کو سونپ دی، مجھے ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے'۔

یہ الفاظ ہیں چوتھے مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے جنھیں ان کی کتاب 'تزکِ جہانگیری' کے دیباچے میں مرزا محمد ہادی نے لکھا۔

لیکن خود جہانگیر نے بھی روزمرہ واقعات پر مبنی اپنی اس کتاب میں جسے وہ 'جہانگیر نامہ' کہتے تھے، شراب اور دیگر نشہ آور اشیا کے استعمال کے واقعات کو چھپانے کی بجائے حکمرانی، انصاف، فنون اور فطرت پر اپنے مشاہدات کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

اپنی کتاب 'ہسٹری آف جہانگیر' میں بینی پرساد نے لکھا ہے کہ 31 اگست 1569 کو دعاؤں، منتوں اور زیارتوں کے بعد پیدا ہونے والا بچہ، اپنے عہد کے سب سے دولت مند اور شان و شوکت والے بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا، فتح پور سیکری کے دل کش شاہی شہر کا ہر دل عزیز شہزادہ تھا۔

جہانگیر کی زندگی کا راستہ اپنے بڑوں کی نسبت گویا پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ 'لیکن اسی آسودگی کے باعث زندگی بھر جہانگیر ارادے اور فیصلہ کرنے کی کمزوری کے شکار رہے۔ وہ خود سے زیادہ باصلاحیت یا زیادہ چالاک لوگوں کے سامنے خود کو بے بس چھوڑ دیتے۔ شخصیت کی یہ کمزوریاں ایک ایسی عادت سے مزید گہری ہوگئیں جو انھوں نے جوانی کی دہلیز ہی پر اختیار کر لی تھی یعنی شراب نوشی'۔

بینی پرساد کے مطابق شراب نوشی مغل خاندان کی دیرینہ کمزوری تھی۔ بابر نے اپنی خودنوشت میں ان محفلوں کی بڑی جیتی جاگتی تصویر کھینچی ہے جہاں شراب کی محفلیں غم اور فکروں کو ڈبو دیتی تھیں۔ ہمایوں نے شراب اور افیون کے استعمال سے اپنی جسمانی توانائی کو نقصان پہنچایا۔ ان کے بیٹے محمد حکیم نے بھی شراب نوشی کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور صرف 31 برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اکبر مجموعی طور پر اس روایت سے ایک استثنا تھا، اگرچہ جوانی کے ابتدائی برسوں میں ان کا بھی شراب پینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور کبھی کبھار وہ حد سے بھی تجاوز کر جاتے تھے۔ ان کے دو چھوٹے بیٹے، مراد اور دانیال، بھی بالآخر شراب نوشی کے باعث ایک المناک موت سے دوچار ہوئے۔ جہانگیر نے اپنی 17 ویں سالگرہ تک شراب کا ذائقہ تک نہیں چکھا تھا، سوائے اس کے کہ کبھی کسی بچوں کی دوا میں معمولی مقدار میں شراب شامل ہوتی۔ سنہ 1605 سے 1627 تک ہندوستان پر حکومت کرنے والے جہانگیر اپنے نصف سے زیادہ عہدِ حکومت میں سلطنت بھر میں گھومتے رہے۔

انشیکا جین اپنی تحریر 'ایمپرر جہانگیر: دی نیچرلسٹ' میں لکھتی ہیں کہ جہانگیر کم عمری ہی سے اپنے گرد و پیش کی دنیا کو غیر معمولی باریک بینی سے دیکھتے تھے اور ہندوستان کے اور بیرونِ ہند سے تحفے میں ملنے والے جانوروں اور پرندوں کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ ان کی تصاویر بنوانے کا اہتمام کرتے تھے۔

انشیکا جین کے مطابق جہانگیر نے مارخور اور بربری نسل کی بکریوں کی باہمی افزائش بھی کروائی اور ان کے بچوں کی حرکات و سکنات کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔

جہانگیر کی جانوروں میں دل چسپی ان کی زندگی کے آخری برسوں میں خوراک کے بارے میں غیر معمولی احتیاط تک جا پہنچی۔

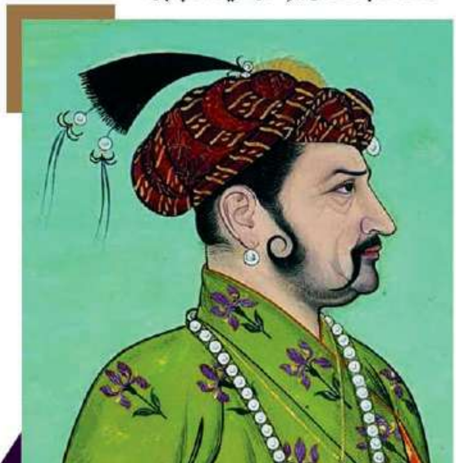

'وہ حکم دیتے تھے کہ شکار کیے گئے جانوران کی موجودگی میں صاف کیے جائیں اور وہ خود ان کے معدوں کا معائنہ کرتے تاکہ معلوم ہو سکے کہ انھوں نے کیا کھایا تھا۔ اگر کسی جانور کے معدے میں کوئی گھناؤنی چیز ملتی تو وہ اس نوع کو اپنی غذا کی فہرست سے خارج کر دیتے'۔

انشیکا جین کے مطابق جہانگیر کی شخصیت تضادات سے بھری تھی: وہ ایک طرف لذتوں میں گم بادشاہ تھے تو دوسری طرف دنیا کو غیر معمولی گہری نظر سے دیکھنے والے مشاہدہ کار۔

مورخ ہنری بیورج نے یہاں تک لکھا کہ اگر جہانگیر عظیم مغل سلطنت کے بجائے قدرتی تاریخ کے کسی عجائب گھر کے سربراہ ہوتے تو شاید زیادہ 'بہتر اور خوش باش انسان ہوتے'۔

لیسا بالابانلِر اپنی تحقیقی تحریر 'دی ایمپرر جہانگیر اینڈ دی پرسوٹ آف پلیژر' میں لکھتی ہیں کہ وہ شاذ ہی خود فوجوں کی قیادت کرتے، اکثر بیٹوں کی قیادت میں چلنے والی فوجوں کے پیچھے رہتے یا بظاہر بے سمت ذاتی عیش و تفریح کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔

'ان کی آوارگی، شکار کے جنون، نشہ آور اشیا کے کھلے استعمال اور تقریباً مسلسل سفر کے باوجود شاہی ملازمین اور امرا نے انھیں کسی نہ کسی حد تک قبول کیے رکھا'۔

شہنشاہ جہانگیر اپنی خودنوشت 'تزکِ جہانگیری' میں صرف اپنی فتوحات، دربار اور سلطنت کا احوال نہیں سناتے بلکہ اپنی ذات کی کمزوریوں سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں۔

تزک سے علم ہوتا ہے کہ شراب سے ان کی وابستگی کی کہانی ایک معمولی واقعے سے شروع ہوتی ہے۔

نوجوان شہزادہ جہانگیر اپنے والد اکبر کے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے قریب تھے۔ ایک روز شکار سے واپسی پر تھکن محسوس ہوئی تو توپچی استاد شاہ قلی نے انھیں شراب کا ایک پیالہ پینے کا مشورہ دیا۔ جہانگیر نے اپنے آب دار محمود کو حکم دیا کہ حکیم علی کے گھر سے کوئی نشہ آور مشروب لایا جائے۔ جواب میں ایک چھوٹی سی بوتل میں میٹھی زرد شراب کے تقریباً ڈیڑھ پیالے آئے۔ جہانگیر نے اسے پیا، ذائقہ پسند آیا، اور پھر، ان کے اپنے الفاظ میں، 'روز بروز اس کی مقدار بڑھاتا گیا'۔

ایک مرحلے پر وہ بتاتے ہیں کہ روزانہ شراب پیتے تھے، مگر جمعرات اور جمعہ کی شب اس سے پرہیز کرتے تھے۔۔ جمعرات ان کے تخت نشین ہونے کا دن تھا اور جمعہ مقدس دن۔ ان دنوں کا پرہیز ان کی مذہبی اور شاہی رسومات سے جڑا ہوا تھا۔

انگور کی شراب کا نشہ جب ان کے لیے کافی نہ رہا تو انھوں نے عرق، یعنی کشیدہ شراب، کا رخ کیا۔ نو برس کے اندر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ روزانہ 20 پیالے دو مرتبہ کشیدہ عرق پینے لگے بی 14 دن کے وقت اور چھ رات کو۔ ہر پیالے میں تقریباً 82 گرام، یعنی لگ بھگ 85 ملی لیٹر شراب ہوتی تھی۔ نشے کی یہ مقدار محض ایک عدد نہیں تھی، جہانگیر کی اپنی تحریر اس کے جسمانی اثرات کی ایک لرزہ خیز تصویر بھی پیش کرتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہاتھ اتنے کانپنے لگے تھے کہ وہ اپنے پیالے سے خود نہیں پی سکتے تھے اور دوسروں کو انھیں پلانا پڑتا تھا۔ تب حکیم ہمام نے بادشاہ کو صاف الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر وہ اسی طرح شراب پیتے رہے تو چند ہی ماہ میں علاج ممکن نہیں رہے گا۔

جہانگیر لکھتے ہیں کہ اس مشورے نے انھیں متاثر کیا، کیونکہ 'زندگی عزیز تھی'، اور انھوں نے شراب کم کرنا شروع کر دی۔ لیکن ساتھ ہی ایک نشے سے دوسرے نشے پر منتقل ہوگئے۔ جہانگیر کے مطابق جس نسبت سے انھوں نے شراب کم کی، اسی نسبت سے 'فیلونیا' کی مقدار بڑھا دی۔ اور پھر افیون اس داستان میں داخل ہوتی ہے۔

جہانگیر لکھتے ہیں کہ 46 برس اور چار ماہ کی عمر میں وہ اپنی روزانہ مقدار بھی درج کرتے ہیں: دن کے پانچ گھڑی گزرنے کے بعد آٹھ سرخ (ایک گرام) اور رات کی ایک گھڑی کے بعد مزید چھ سرخ (پون گرام) یعنی وہ اپنی افیون کے استعمال کا بھی ایک باقاعدہ روزانہ حساب رکھتے تھے۔

وہ لکھتے ہیں کہ 18 برس کی عمر سے شراب پیتے آئے ہیں، کبھی 20 پیالے تک پہنچے، پھر مقدار کم کی، اور 30 برس کے بعد صرف رات کو پینے لگے۔ آخر میں وہی جواز دہراتے ہیں: اب شراب صرف ہاضمے کے لیے ہے۔ سلطنت کے 13 ویں سال میں گجرات کی آب و ہوا ان کے موافق نہ رہی اور ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اس پر حکیموں نے انھیں شراب اور افیون دونوں کم کرنے کا مشورہ دیا۔ جہانگیر کے مطابق انھوں نے اسی روز دونوں کی مقدار گھٹا دی اور پہلے ہی دن اپنی صحت میں 'نمایاں بہتری' محسوس کی۔ مگر عادت ہمیشہ عقل کے تابع نہیں ہوتی۔

اسی بیماری کے دوران میں شدید سر درد اور بخار کے باوجود وہ جلد ہی اپنے معمول کے پیالوں کی طرف لوٹ آئے۔

بعد کے برسوں میں یہ صورت حال مزید پیچیدہ ہوئی۔

جہانگیر لکھتے ہیں کہ ایک شدید بیماری کے دوران میں چونکہ شراب پینے سے انھیں عارضی سکون ملتا تھا، اس لیے انھوں نے دن میں بھی پینا شروع کر دیا، حالانکہ پہلے یہ ان کا معمول نہیں تھا۔

پھر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ مقدار حد سے بڑھ گئی۔ گرم موسم نے اس کے مضر اثرات مزید بڑھا دیے اور کمزوری کے ساتھ سانس لینے میں دشواری بھی ہونے لگی۔

یہیں نور جہاں کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔

جہانگیر لکھتے ہیں کہ نور جہاں بیگم نے رفتہ رفتہ ان کے شراب کے پیالے کم کیے، انھیں ناموزوں چیزوں اور کھانوں سے روکا اور ان کے علاج کا انتظام کیا۔

جہانگیر ان کی مہارت اور تجربے کو طبیبوں سے زیادہ مؤثر قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں ان کے بقول محبت اور ہمدردی بھی شامل تھی۔

'تزکِ جہانگیری' کا یہ بیان نور جہاں کو صرف ایک بااثر ملکہ کے طور پر نہیں بلکہ اپنے بیمار شوہر کی دیکھ بھال اور اس کی شراب نوشی کو محدود کرنے والی شخصیت کے طور پر بھی دکھاتا ہے۔

لیکن مُنی لال اپنی کتاب 'جہانگیر' میں لکھتے ہیں کہ جہانگیر کی بے بسی تقریباً قابلِ ترس حد تک پہنچ چکی تھی۔ نور جہاں کی دل آویزی نے ان سے وہ تھوڑی بہت سمجھ بوجھ اور قوتِ ارادی بھی چھین لی تھی جو ان میں باقی رہ گئی تھی۔ ایک طویل علالت، شراب کی لت اور جسمانی خواہشات کی شدت ہی یہ وہ بنیادی اسباب تھے جنھوں نے جہانگیر کو نور جہاں پر مکمل انحصار کی حالت تک پہنچا دیا تھا۔ بعض اوقات وہ شدید جذباتی دباؤ کے باعث بے چین ہو جاتے تھے۔

البتہ، لیسا بلبن لر 'انسائیکلو پیڈیا ایرانیکا' میں لکھتی ہیں کہ اگرچہ بعض مبصرین کے نزدیک ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بادشاہ جہانگیر نے سلطنت کے اختیارات اپنی اہلیہ کے سپرد کر دیے تھے، تاہم وہ اپنے عہدِ حکومت کے آخری پانچ برسوں تک مملکت کے سیاسی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے اور سرگرمی سے شریک رہتے تھے۔

نور جہاں دراصل ایک ایسے بادشاہ کی شریکِ اقتدار تھیں جس نے اقتدار سے غفلت برتنے کے بجائے حکومتی ذمہ داریوں کا ایک حصہ اپنی قابلِ اعتماد اور باصلاحیت رفیقِ کار کے سپرد کر رکھا تھا۔

تزک کے حوالے سے لیزا لکھتی ہیں کہ جہانگیر کو کھیل اور شکار کا بے حد شوق تھا اور نور جہاں بھی اکثر ان مہمات میں اس کے ساتھ ہوتی تھیں۔

'ایسی ہی ایک مہم کے دوران میں انھوں نے صرف چھ گولیوں سے چار شیروں کا شکار کیا۔ اپنی بیوی کی اس غیر معمولی مہارت پر فخر کرتے ہوئے جہانگیر نے ان کے سر پر 1,000 اشرفیاں نچھاور کیں اور انھیں ایک جوڑا موتیوں کا اور ایک ہیرا بھی عطا کیا، جس کی مالیت ایک لاکھ روپے تھی۔

'لیکن عہدِ حکومت کے ان نسبتاً پُرسکون اور خوش حال درمیانی برسوں میں بھی، جب کسی شہزادے کی بغاوت نے بادشاہ کے سکون میں خلل نہیں ڈالا تھا، جہانگیر شراب اور منشیات پر اپنی گہری انحصاری سے نجات نہ پا سکے۔ یہاں تک کہ ان کے دربار میں ایک ایسا اہل کار بھی مقرر تھا جس کی بظاہر واحد ذمہ داری شاہی نشہ آور اشیا کی دیکھ بھال اور انہیں محفوظ رکھنا تھی۔'

اس خود نوشت کا شاید سب سے بڑا تضاد اس وقت سامنے آتا ہے جب جہانگیر بادشاہ بننے کے بعد اپنی رعایا کے لیے شراب اور دوسری نشہ آور اشیا کی تیاری اور فروخت پر پابندی عائد کرتے ہیں، مگر اسی فرمان میں اپنی شراب نوشی کا اعتراف بھی کر دیتے ہیں۔

مقبرہ جہانگیر مقامی اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے لاہور کی مقبول ترین تاریخی عمارتوں میں سے ایک ہے، جہاں روزانہ بڑی تعداد میں زائرین اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد آتے ہیں

جہانگیر دوسروں کی شراب نوشی اور افیون کے انجام کو بھی اسی خود نوشت میں قلم بند کرتے ہیں۔

عنایت خان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ افیون کے عادی تھے اور شراب بھی پیتے تھے، یہاں تک کہ شراب نے ان کی حالت بگاڑ دی۔ دوسروں کے بارے میں لکھتے ہوئے جہانگیر نشے کے تباہ کن اثرات دیکھ سکتے تھے، مگر اپنی شراب نوشی کو وہ اکثر اعتدال، دوا یا ہاضمے کی ضرورت کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جہانگیر کا یشم سے بنا شراب کا پیالہ

شاید اسی تضاد کی مثال ان کے بیٹے خرم، یعنی مستقبل کے شہنشاہ شاہ جہاں، کا واقعہ ہے۔

جہانگیر لکھتے ہیں کہ خرم 24 برس کی عمر تک شراب سے دور رہے تھے۔ ایک موقع پر جہانگیر نے انھیں شراب پیش کی اور اعتدال کی نصیحت کی۔ انھوں نے ابنِ سینا کا یہ قول بھی نقل کیا کہ شراب تھوڑی ہو تو دوا اور زیادہ ہو تو سانپ کا زہر بن جاتی ہے۔

بادشاہ دربار میں باقاعدگی سے شراب کی محفلیں سجایا کرتے تھے۔ جہانگیر کے اپنے بقول، ان محفلوں میں ان کے درباری 'وفاداری کی شراب سے سرشار' ہو جاتے تھے۔

نوروز کے موقع پر تو بادشاہ نے حکم دے رکھا تھا کہ شاہی جشن منانے والے اپنی مرضی کی کوئی بھی 'نشہ آور یا سرمست کرنے والی چیز' استعمال کر سکتے ہیں، اور انھیں کسی 'ممانعت یا رکاوٹ' کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

رام چندر پرساد نے اپنی کتاب 'ارلی انگلش ٹریولرز ان انڈیا' میں لکھا ہے کہ سنہ 1616 میں، جہانگیر نے نشے کی حالت میں اپنے چند درباریوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر شراب پییں۔

اگلے دن کسی نے اتفاقاً یا جان بوجھ کر گذشتہ رات پیش آنے والے واقعے کا ذکر کر دیا۔ بادشاہ کو اپنا حکم یاد نہ رہا تھا، چنانچہ انھوں نے پوچھا کہ درباریوں کو شراب پینے کی اجازت کس نے دی۔

جہانگیر کے لیے نشہ صرف شراب اور افیون تک محدود نہیں تھا۔ کشمیر کے سفر میں وہ ایک مقامی نشہ آور مشروب کا ذکر بھی کرتے ہیں جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس میں بھنگ ملائی جاتی ہے۔ وہ اس کے نشے اور جسمانی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر شراب دستیاب نہ ہو تو ضرورت کے وقت اسے متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

نرسنگھا پی۔ سل کے مطابق، اگرچہ جہانگیر کو عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا حکمران سمجھا جاتا ہے، لیکن انھوں نے انصاف کی فراہمی کے لیے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا تھا۔ اس نظام میں سب سے نمایاں 'زنجیرِ عدل' تھی، جو اس عزم کی علامت تھی کہ رعایا کی شکایات اور فریادیں براہِ راست بادشاہ تک پہنچ سکیں۔ جہانگیر کے عہد میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی قائم ہوئے۔

یوں جہانگیر کی میراث مغلیہ تاریخ کے وسیع تر تناظر میں فنونِ لطیفہ کی سرپرستی، انتظامی اقدامات اور پیچیدہ خاندانی تعلقات کے ایک ایسے امتزاج کی عکاسی کرتی ہے جس میں ان کی شخصیت کے کئی متضاد پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

لیسا لکھتی ہیں کہ زندگی کے آخری برسوں میں، برسوں کی حد سے بڑھی ہوئی شراب نوشی اور منشیات کے استعمال نے جہانگیر کے جسم کو اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ ایک اور بیٹے کی بغاوت کچلنے کی کامیاب مگر تھکا دینے والی مہم کے بعد وہ تقریباً معذور ہو چکے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ نہ چل سکتے تھے اور نہ افیون لے سکتے تھے، بس چند گھونٹ شراب ہی پی پاتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے سفر کا سلسلہ ترک نہیں کیا۔

جہانگیر 1627 کے گرم موسم میں وہ سکون اور آرام کی غرض سے اپنے محبوب کشمیر روانہ ہوئے، لیکن وہاں پہنچنے کے چند ہی دن بعد خود جہانگیر اور ان کے ساتھ آنے والے سب سے چھوٹے بیٹے، شہزادہ شہریار، شدید بیمار پڑ گئے اور دونوں کی حالت نازک ہو گئی۔

چنانچہ وہ لاہور واپسی کے لیے روانہ ہوئے، لیکن سفر کے دوران میں، 28 اکتوبر 1627 کو چنگر ہ سری کے مقام پر وہ فوت ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر 58 برس تھی اور انھیں تخت پر بیٹھے 21 برس سے کچھ زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ جہانگیر کی خود نوشت کی تحریر 17 ویں سالِ سلطنت کے بعد بیماری اور کمزوری کے باعث رک گئی تھی، جبکہ اس کے بعد کا مواد درباری مؤرخین، خصوصاً معتمد خان اور محمد ہادی، نے مکمل کیا۔

لیسا کے مطابق جہانگیر کے بعد آنے والے مغل بادشاہوں نے بھی اپنے پیش روؤں کی اس سیاحانہ اور متحرک طرزِ زندگی کو جاری رکھا، جب تک ان کے پاس اس کے لیے معاشی اور سیاسی طاقت موجود رہی۔ یہ سلسلہ تقریباً مزید 100 برس تک چلتا رہا۔

تاہم، جہانگیر سے پہلے یا ان کے بعد شاید ہی کوئی مغل بادشاہ ایسا گزرا ہو جس نے لذت کی تلاش میں مسلسل سفر کرنے کو اس قدر مستقل مزاجی سے اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہو۔

جہانگیر اپنی شراب نوشی کی عادت اور اس سے نبرد آزما ہونے کی اپنی جدوجہد کو کھلے عام تسلیم کرتے تھے۔ جہانگیر ہی کے مطابق ان کے درباری شاعر طالب آملی نے اسی کیفیت کو ایک شعر میں یوں بیان کیا:

میرے دو ہونٹ ہیں، ایک شراب کا دلدادہ ہے
اور دوسرا نشے میں ہونے پر معذرت خواہ

عقل داڑھ کا اصل کام کیا اور اس کے نکلنے سے درد کیوں ہوتا ہے؟

بچے جب چند ماہ کے ہوتے ہیں تو ان کا پہلا دانت نکلتا ہے اور نوعمری تک پہنچتے پہنچتے ان کے تقریباً تمام پکے دانت نکل آتے ہیں، تاہم منہ کے بالکل پچھلے حصے میں موجود چند داڑھیں سب سے آخر میں نکلتی ہیں۔ عموماً اس وقت جب کوئی شخص بالغ عمر کے قریب پہنچ رہا ہوتا ہے۔

پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش کی مقامی زبان میں ان دانتوں کو 'عقل داڑھ' کہا جاتا ہے، جو اس تصور پر مبنی ہے کہ انسان کی عقل اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عمر کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ لفظ عقل کا مطلب سوجھ بوجھ یا فہم و فراست ہے۔

اسی وجہ سے انگریزی میں اسے 'وزڈم ٹوتھ' کہا جاتا ہے۔ طبی اصطلاح میں اسے 'تھرڈ مولر' یا تیسری داڑھ کہا جاتا ہے۔

یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ دانتوں کی قطار میں تیسری داڑھ ہوتی ہے۔

تاہم ہر شخص کی عقل داڑھیں نہیں نکل پاتیں۔ بعض لوگوں میں اگر یہ موجود ہوں بھی تو ان سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، جبکہ بعض دیگر افراد کے لیے یہ درد اور تکلیف کا باعث بن سکتی ہیں۔

لیکن عقل داڑھیں اتنی دیر سے کیوں نکلتی ہیں؟ دانت نکلتے وقت درد کیوں ہوتا ہے؟ یہ کس عمر تک نکل سکتی ہیں، اور اگر درد ہو تو کیا دانت نکلوانا ہی واحد حل ہے؟

تاہم ہر شخص کی عقل داڑھیں نہیں نکل پاتیں۔ بعض لوگوں میں اگر یہ موجود ہوں بھی تو ان سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، جبکہ بعض دیگر افراد کے لیے یہ درد اور تکلیف کا باعث بن سکتی ہیں۔

لیکن عقل داڑھیں اتنی دیر سے کیوں نکلتی ہیں؟ دانت نکلتے وقت درد کیوں ہوتا ہے؟ یہ کس عمر تک نکل سکتی ہیں، اور اگر درد ہو تو کیا دانت نکلوانا ہی واحد حل ہے؟

عقل داڑھ نکلنے کی درست عمر

ایک بالغ انسان کے عموماً 32 دانت ہوتے ہیں۔

ان میں منہ کے اوپری اور نچلے جبڑوں کے دونوں اطراف بالکل آخر میں ہر کونے پر ایک، ایک کر کے مجموعی طور پر چار عقل داڑھیں ہو سکتی ہیں۔ تاہم ہر شخص میں چاروں عقل داڑھیں موجود نہیں ہوتیں۔

کسی کے ایک، دو یا تین دانت ہو سکتے ہیں، جبکہ کسی کے ایک بھی نہیں ہو سکتے۔

امریکہ کی امریکن ڈینٹل ایسوسی ایشن کے مطابق عموماً 17 سے 21 سال کی عمر کے درمیان عقل داڑھ نکلنا شروع ہوتی ہے۔

برطانیہ کی نیشنل ہیلتھ سروس (این ایچ ایس) کا کہنا ہے کہ یہ دانت عموماً نوعمری کے آخری برسوں سے لے کر 25 سال کی عمر کے درمیان نکلتے ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مخصوص عمر گزر جانے کے بعد عقل داڑھ نہیں نکلے گی۔ بعض افراد میں عقل داڑھ بعد کی عمر میں بھی نکل سکتی ہے۔

ہمارے پاس عقل داڑھ کیوں ہوتی ہے؟

اگر عقل داڑھ مسوڑھوں میں درست جگہ پر نکلے تو یہ منہ کے پچھلے حصے کو سہارا دینے اور جبڑے کی ہڈی کو محفوظ رکھنے میں مدد دے سکتی ہے۔

تاہم عمومی طور پر دیکھا جائے تو عقل داڑھ کی درحقیقت زیادہ ضرورت نہیں رہ گئی۔ بلکہ بیشتر طبی ماہرین انھیں ایک غیر فعال باقی ماندہ عضو (ویسٹیجیئل) سمجھتے ہیں۔ یعنی ماضی میں ان کا ایک مخصوص کام تھا، لیکن اب وہ اہمیت باقی نہیں رہی۔

امریکہ کے کلیولینڈ کلینک کے مطابق ہمارے آباؤ اجداد کی ابتدائی خوراک میں بڑی مقدار میں کچے پودے، سخت گریاں اور سخت وریشے دار گوشت شامل ہوتا تھا۔ ان غذاؤں کو چبا کر ہضم کے قابل بنانے میں عقل داڑھ اہم کردار ادا کرتی تھی۔

آج کے دور میں خوراک تیار کرنے کے جدید طریقوں اور کھانے کے مختلف آلات نے عقل داڑھ کی ضرورت کو بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ خوراک کی عادات میں اس تبدیلی کے ساتھ مطابقت پیدا کرتے ہوئے ہمارے جسم میں بھی کچھ معمولی ارتقائی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر ہمارے جبڑے پہلے کے مقابلے میں چھوٹے ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگوں کے منہ میں عقل داڑھ نکلنے کے لیے کافی جگہ موجود نہیں ہوتی۔

عام طور پر انسان کی چار عقل داڑھیں ہوتی ہیں لیکن ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ چاروں نکلیں۔ ہر 10 افراد میں تقریباً آٹھ کے ہاں کم از کم ایک عقل داڑھ نہیں نکلتی۔

تاہم کسی بھی عقل داڑھ کا نہ نکلنا یا چاروں کا نکل آنا، دونوں ہی معمول کی مختلف صورتیں ہیں۔

عقل داڑھ نکلنے پر درد کیوں ہوتا ہے؟

اگر عقل داڑھ دیگر دانتوں کی طرح معمول کے مطابق اور مناسب جگہ کے ساتھ نکلے تو عموماً کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم اس دانت کے نکلنے کے دوران ہلکی سی تکلیف یا بے آرامی محسوس ہو سکتی ہے۔

عقل داڑھ بنیادی طور پر جگہ کی کمی کی وجہ سے مسائل پیدا کرتی ہے۔

یہ دانت مسوڑھوں کے

بالکل آخری حصے میں نکلتا ہے۔ اگر وہاں دانت کے نکلنے کے لیے کافی جگہ نہ ہو تو یہ ساتھ والے دانت کی طرف جھک سکتا ہے یا پھر جزوی یا مکمل طور پر مسوڑھے یا جبڑے کی ہڈی میں پھنسا رہ سکتا ہے۔

ایسے دانت کو 'امپیکٹڈ وزڈم ٹوتھ' یا پھنسی ہوئی عقل داڑھ کہا جاتا ہے۔

اگر جزوی طور پر نکلے ہوئے دانت کے اوپر مسوڑھے کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو وہاں خوراک کے ذرات اور بیکٹیریا جمع ہو سکتے ہیں۔ اس سے دانت کے اردگرد موجود مسوڑھے میں سوزش یا انفیکشن ہو سکتا ہے، جسے 'پیریکورونائٹس' کہا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دانت میں کیڑا بھی لگ سکتا ہے۔

جزوی طور پر نکلے ہوئے دانت کے اردگرد صفائی کرنا مشکل ہونے کی وجہ سے بعض صورتوں میں عقل داڑھ کے اطراف سیال جمع ہو کر سسٹ یا ایپسس (پیپ جمع ہونے) کا سبب بن سکتا ہے۔

امریکہ کے طبی و تحقیقی ادارے مایو کلینک کے مطابق امپیکٹڈ دانت ساتھ والے دانتوں کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اس صورتِ حال میں درد کے علاوہ مسوڑھے سوج سکتے ہیں اور منھ کھولنے یا چبانے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ تاہم اگر عقل داڑھ درست طریقے سے نکلے تو یہ خوراک چبانے میں مدد دیتی ہے۔

انسان کے ہر جبڑے میں عموماً تین داڑھیں یا پچھلے چبانے والے دانت ہوتے ہیں۔

سامنے سے پیچھے کی جانب یہ پہلا مولر، پھر دوسرا مولر اور اس کے بعد تیسرا مولر ہوتا ہے۔ سب سے آخر میں موجود تیسرا مولر ہی وزڈم ٹیتھ یا عقل داڑھ کہلاتا ہے۔

کئی بار دانت باہر سے نظر نہ آنے کے باوجود ایکس رے کے ذریعے اس کی پوزیشن کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

ڈھاکہ کے دندان ساز ڈاکٹر اے کے ایم حسان الزمان کے مطابق اگر دانت کی پوزیشن درست ہو اور اس کے نکلنے کے لیے کافی جگہ موجود ہو تو عقل داڑھ ایک سے دو سال کے اندر معمول کے مطابق نکل سکتی ہے۔ اس عرصے کے دوران ہر چند ماہ بعد درد ہو سکتا ہے۔

ان کے مطابق عقل داڑھ نکلنے کے دوران مریضوں کی بڑی شکایات درد اور سوجن ہوتی ہیں، جبکہ بہت سے لوگوں کو منھ مکمل طور پر کھولنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔ اگر مسوڑھوں کے انفیکشن کا طویل عرصے تک علاج نہ کیا جائے تو شاذ و نادر صورتوں میں یہ منھ اور گلے کے مختلف حصوں تک پھیل کر سنگین انفیکشن کا باعث بن سکتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'اس وقت سانس لینے یا کھانا کھانے میں مشکل پیش آتی ہے اور اگر حالت سنگین ہو جائے تو مریض کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے معاملات میں آخر کار نوبت سرجری تک پہنچ جاتی ہے۔'

درد ہونے پر کیا کرنا چاہیے اور کیا عقل داڑھ نکلوانا ضروری ہے؟

ڈاکٹرز کے مطابق عقل داڑھ میں درد ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے لازماً نکلوانا پڑے گا۔

این ایچ ایس کے مطابق اگر عقل داڑھ کوئی مسئلہ پیدا نہ کر رہی ہو تو عموماً اسے نہیں نکالا جاتا۔ اس کے بجائے دانتوں کے باقاعدہ معائنے کے ذریعے اس کی حالت پر نظر رکھی جاتی ہے۔ تاہم اگر بار بار مسوڑھوں میں انفیکشن ہو، شدید درد ہو، دانت خراب ہو جائے، ساتھ والے دانت کو نقصان پہنچنے لگے یا سسٹ یا پھوڑے جیسی پیچیدگیاں پیدا ہوں تو ڈاکٹر اسے نکلوانے کا مشورہ دے سکتے ہیں۔ عموماً دانت نکالنے سے پہلے مسوڑھے میں لوکل اینستھیٹک کا انجیکشن لگایا جاتا ہے، جس سے متعلقہ حصہ سن ہو جاتا ہے تاکہ دانت نکالتے وقت درد محسوس نہ ہو۔

مریض کو آرام دہ حالت میں رکھنے کے لیے سیڈیشن بھی دی جا سکتی ہے۔ اگر دانت نکالنا پیچیدہ ہو یا مریض بہت زیادہ گھبراہٹ کا شکار ہو تو جنرل اینستھیزیا دیا جاتا ہے، جس کے بعد مریض سویا رہتا ہے۔

عقل داڑھ نکالنے کے بنیادی مراحل یہ ہیں،

اگر دانت مسوڑھے کے نیچے چھپا ہوا ہو تو ڈاکٹر پہلے مسوڑھے میں ایک چھوٹا سا کٹ لگاتے ہیں۔

اس کے بعد ضرورت کے مطابق دانت کے اردگرد موجود جگہ کو کشادہ کیا جاتا ہے۔

پھر دانت کو ایک ہی ٹکڑے میں نکالا جاتا ہے، تاہم ضرورت پڑنے پر اسے دو یا تین حصوں میں بھی نکالا جا سکتا ہے۔ آخر میں مسوڑھے پر ایسے ٹانکے لگائے جاتے ہیں جو بعد میں خود بخود تحلیل ہو جاتے ہیں۔

عام طور پر یہ پورا عمل چند منٹ میں مکمل ہو جاتا ہے اور این ایچ ایس کے مطابق عقل داڑھ نکالنے میں 40 منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔

زیادہ تر مریض اسی روز گھر جا سکتے ہیں، تاہم اگر جنرل اینستھیزیا دیا گیا ہو تو مریض کی حالت دیکھتے ہوئے بعض اوقات ایک رات ہسپتال میں قیام کرنا پڑ سکتا ہے۔

دانت نکلوانے کے بعد صحت یاب ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے؟

عقل داڑھ نکلوانے کے بعد عموماً اگلے ہی دن معمول کی روزمرہ سرگرمیوں میں واپس آیا جا سکتا ہے۔

تاہم اگر دانت نکالنے کا عمل پیچیدہ ہو یا جنرل اینستھیزیا دیا گیا ہو تو ایک سے تین دن تک آرام کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

عام طور پر دانت نکلوانے کے بعد دو ہفتوں تک کچھ مسائل برقرار رہ سکتے ہیں، مثلاً معمولی درد اور سوجن، جو ایک یا دو دن بعد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گال پر نیل یا سیاہ نشان پڑ سکتے ہیں، جبڑے میں درد اور اکڑاؤ محسوس ہو سکتا ہے۔ کھانا چبانے اور نگلنے میں بے آرامی ہو سکتی ہے۔ اگر دانت نکالنے کے بعد ٹانکے لگائے گئے ہوں تو عموماً وہ خود ہی تحلیل ہو جاتے ہیں۔ دانت نکلوانے کے بعد زخم کی جگہ پر خون کا لوتھڑا (بلڈ کلاٹ) بنتا ہے، جو زخم بھرنے میں مدد دیتا ہے۔

دانت نکلوانے کے بعد ابتدائی چند دنوں میں جلد اور بہتر صحت یابی کے لیے ڈاکٹرز درج ذیل احتیاطیں تجویز کرتے ہیں۔

درد کم کرنے کے لیے ڈاکٹر کے مشورے سے پیراسیٹامول یا آئبوپروفین استعمال کی جا سکتی ہے۔

جب تک معمول کے مطابق چبانا آسان نہ ہو جائے، نرم یا مائع غذا کھانا بہتر ہے۔

ماؤتھ واش یا نیم گرم نمک والے پانی سے نرمی کے ساتھ کلی کر کے زخم کو صاف رکھنا چاہیے۔ ڈاکٹرز کے مطابق دیگر دانتوں کی احتیاط سے صفائی کریں، لیکن زخم والی جگہ سے گریز کریں تاکہ ٹانکے یا بننے والا بلڈ کلاٹ متاثر نہ ہو۔

خون بہنے کی صورت میں صاف کپڑے یا روئی سے کم از کم 10 منٹ تک اس جگہ کو دبا کر رکھیں۔

دوسری جانب ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ جنرل اینستھیزیا کے بعد 48 گھنٹے تک اور سکون آور انجیکشن (سیڈیٹو انجیکشن) کے بعد 24 گھنٹے تک گاڑی نہ چلائیں۔

سخت، کرکری یا ایسے کھانوں سے پرہیز کریں جن کے ذرات زخم میں پھنس سکتے ہوں، جیسے میوہ جات یا بیج۔ ڈاکٹرز تمباکو نوشی نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ اس سے ان کے مطابق انفیکشن کا خطرہ بڑھ سکتا ہے۔

اگرچہ عقل داڑھ نکلوانا ایک نسبتاً آسان عمل ہے، لیکن بعض پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں، مثلاً ڈرائی ساکٹ: دانت نکلنے کے بعد بننے والے خالی حصے میں عام طور پر خون کا لوتھڑا بنتا ہے۔ اگر یہ صحیح طور پر نہ بنے یا زخم بھرنے سے پہلے اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو شدید درد ہو سکتا ہے، جسے ڈرائی ساکٹ کہا جاتا ہے۔

انفیکشن: زخم کی جگہ پر انفیکشن ہو سکتا ہے، جس کے علاج کے لیے اینٹی بائیوٹکس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

اعصابی نقصان: اگر دانت کے قریب موجود اعصاب متاثر ہوں تو زبان، ہونٹ یا ٹھوڑی میں سن ہونے یا جھنجھناہٹ کا احساس ہو سکتا ہے۔ عموماً یہ کیفیت وقت کے ساتھ بہتر ہو جاتی ہے، لیکن بعض اوقات کئی ہفتوں یا مہینوں تک برقرار رہ سکتی ہے۔

کیا 2030 تک اے آئی ہم سب کو 'مار ڈالے گی'؟

شاید ہم سب 10 سال بعد مر چکے ہوں گے، تو اب آپ کیا کرنے والے ہیں؟ یہ خوش کن سوال ایک عام سنیچر کی صبح میرا استقبال کر رہا تھا، جب سچ کہوں تو میں زیادہ تر اس بات کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ دوپہر کے کھانے میں کیا کھاؤں گی۔

لیکن نہیں، اپنی (انسانی ہاتھوں سے بنائی گئی) سکنی چائے لاٹے کی چسکیاں لیتے ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ بظاہر مصنوعی ذہانت کی بدولت ہم سب تباہی کے راستے پر ہیں۔

ٹیکنالوجی کمپنی اینتھر وپک کے 'الائنمنٹ سائنس' کے سربراہ ایون ہنجر کے مطابق، (جی ہاں، یہ ہی وہ کمپنی ہے جس نے تشویش ناک طور پر اپنے تازہ ترین اور جدید ماڈل کو برطانیہ کے اے آئی سکیورٹی انسٹی ٹیوٹ کی حفاظتی جانچ سے دور رکھا اور اسے صرف امریکی اداروں کے لیے جاری کیا)، مصنوعی ذہانت 'اگلی دہائی میں تمام انسانوں کو مار سکتی ہے۔'

انہوں نے اس ہفتے ایکس پر لکھا: 'ہم واقعی سنجیدگی سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت تمام انسانوں کو مار سکتی ہے!

'ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ اگلی دہائی میں اس کا امکان 10 فیصد سے زیادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اینتھر وپک اپنی پوری کوشش کر رہی ہے، لیکن ہمارے پاس ابھی تک سپر انٹیلی جنس کو انسانی مقاصد کے مطابق رکھنے (الائنمنٹ) کا کوئی حل نہیں، اور نہ ہی ہم واضح طور پر اس سمت میں درست رفتار سے آگے بڑھ رہے ہیں۔'

ہنجر (جن کا نام اتفاق سے انگریزی لفظ Harbinger یعنی 'پیش خیمہ' سے کافی مشابہت رکھتا ہے، خصوصاً تباہی کے پیش خیمے سے) نے مزید کہا کہ موجودہ ماڈلز سے خطرہ کم ہے، لیکن جس چیز کے بارے میں وہ اور ان کے ساتھی فکرمند ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے گذشتہ ماہ ایک نمایاں خطراتی رپورٹ میں اس کا ذکر بھی کیا، وہ ہے: 'خود کو بہتر بنانے کے بار بار دہرانے والے عمل سے پیدا ہونے والی سپر انٹیلی جنس، جو ہماری توقع سے زیادہ تیزی سے وجود میں آ رہی ہے۔'

ہنجر کے ایک ساتھی جیسن کانس، جو پہلے چیٹ جی پی ٹی بنانے والی کمپنی اوپن اے آئی میں کام کر چکے ہیں، اس معاملے سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ انہوں نے اینتھر وپک میں مصنوعی ذہانت کے محقق کی اپنی ملازمت ہی چھوڑ دی۔

ان کا کہنا تھا: 'وہ خود کو بہتر بنانے والی سپر انٹیلی جنس کی دوڑ میں سیدھے بھاگے جا رہے ہیں اور ہماری زندگیاں داؤ پر لگا رہے ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کی طاقت کو کم نہ سمجھیں۔'

آپ سے واقفیت اچھی رہی، لیکن اصل دھچکا یہ ہے کہ یہ بات مکمل طور پر معقول محسوس ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، مصنوعی ذہانت اتنی ذہین ہو جائے گی کہ دہائی کے اختتام تک پوری انسانی نسل سے جان چھڑانا اسے ایک منطقی فیصلہ لگ سکتا ہے! آخر کیوں نہیں؟

جب آپ دیکھتے ہیں کہ امریکہ کے موجودہ صدر، جو دنیا کے طاقتور ترین شخص بھی ہیں، ایران پر مسلسل اور بے معنی بمباری کر رہے ہیں اور ساتھ ہی انہیں 'غلیظ لوگ' اور 'پاگل' قرار دے رہے ہیں، یا پھر پورٹس ماؤتھ اور ڈوور میں سیاہ لباس پہنے انتہائی دائیں بازو کے غنڈوں کو دیکھتے ہیں، تو مجھے بھی یہ خیال کافی معقول لگتا ہے۔

ہمارا سیارہ مر رہا ہے، اور ہم حالات کو مزید خراب کیے جا رہے ہیں۔

رہی بات اس کی کہ مصنوعی ذہانت ہمیں کیسے ختم کرے گی، تو دی انڈیپینڈنٹ کے نیوز روم میں اس پر مختلف خوفناک تصورات زیرِ بحث آئے۔

کسی نے تصور کیا کہ روبوٹ ایک ہی وقت میں دنیا کے تمام جوہری ہتھیار استعمال کر کے بچ جانے والوں کو ایٹمی موسم سرما میں دھکیل دیں گے۔

کسی نے کہا کہ وہ ہمیں قومی بجلی کے نظام سے کاٹ دیں گے۔ کسی کے خیال میں وہ پانی کی فراہمی روک دیں گے۔ یا اگر ان کا تخیل زیادہ زرخیز ہوا تو شاید ایسے جراثیم چھوڑ دیں جو ہم میں سے اکثریت کو فوراً مار دیں۔

'دی لاسٹ آف اَس'، ذرا دیکھو تو سہی!

یہاں تک کہ وزیراعظم اینڈی برنم بھی بظاہر پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ وزیراعظم کے سوالات کے سیشن میں انہوں نے لبرل ڈیموکریٹ رہنما ایڈ ڈیوی سے کہا: 'ہنجر بالکل درست ہیں کہ مصنوعی ذہانت ہماری قومی سلامتی کے لیے خطرات پیدا کر سکتی ہے، لیکن یہ ہمیں زیادہ محفوظ رکھنے کے حل کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔'

ہمم۔

مجھے یہ کہتے ہوئے اچھا نہیں لگتا، لیکن جب بات انسانی نسل کے مستقبل کی ہو تو وزیراعظم کا یہ 'کچھ ادھر، کچھ اُدھر' والا اندازِ فکر مجھے زیادہ اطمینان نہیں دیتا۔ سب کچھ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے، یا پھر۔۔ بالکل ٹھیک نہ بھی ہو۔

جب آپ کے سامنے یہ امکان ہو کہ ہمارے پاس شاید صرف چار یا ممکنہ طور پر 10 سال باقی ہیں (دنیا کے خاتمے سے متعلق زبان پریشان کن حد تک غیر واضح ہے)، تو میں یہ سوچنے سے خود کو روک نہ سکی کہ میں باقی وقت کے ساتھ کیا کروں گی۔

خاص طور پر یہ کہ اگر یہ انتباہات درست ثابت ہوئے تو میں اپنے آخری سال کن لوگوں کے ساتھ گزارنا چاہوں گی۔ میں کن باتوں کی زیادہ فکر کروں گی اور کن باتوں کی کم۔

اور میں اپنا وقت شعوری طور پر کس انداز میں صرف کرنا چاہتی ہوں۔

اور حیرت انگیز طور پر میرا نتیجہ یہ ہے کہ میں تقریباً وہی کچھ کرتی رہوں گی جو اب کر رہی ہوں: اپنے پیاروں کے ساتھ وقت گزارنا، دوڑ لگانا اور لکھنا۔

سادہ؟ یقیناً۔

لیکن میری بہت انسانی عمر یعنی چالیس کی درمیانی دہائی میں سیکھا گیا ایک مشکل مگر قیمتی سبق وہ چیز ہے جس کے بارے میں مصنوعی ذہانت کو کچھ معلوم نہیں: زندگی سے لطف اندوز ہونے کا راز یہ ہے کہ اسے سادہ رکھا جائے اور ہر احساس کو پوری طرح محسوس کیا جائے۔

باہر چہل قدمی کے لیے جائیں۔ کسی صدیوں پرانے درخت کی چھال کو چھوئیں۔ کسی ایسے شخص کے لیے شان دار کھانا پکائیں جس کی آپ پروا کرتے ہیں۔ ہنسیں۔

شارک مچھلیوں پر بنی کوئی فضول سی فلم دیکھیں۔

گلے لگائیں۔

اور 'میں تم سے محبت کرتا ہوں' اتنی بار کہیں کہ یہ جملہ کسی پرانے لحاف کی طرح نرم اور مانوس ہو جائے۔

جب مصنوعی ذہانت بنانے والے لوگ خود اپنے پیدا کیے ہوئے 'عفریتوں' سے بھاگ رہے ہیں اور ہمارے لیے انتباہات چھوڑتے جا رہے ہیں، تو عظیم انسانی شاعروں، مثلاً میری اولیور کے مشورے پر عمل کریں۔ ان کی خوبصورت نظم 'دی سمر ڈے' کو یاد کریں اور ہمارے باقی بچے ہوئے وقت کے بارے میں گہرائی سے سوچیں: 'مجھے بتاؤ، تم اپنی اس ایک وحشی، قیمتی اور بے حد نایاب زندگی کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ دیکھتے ہیں! اس کے باوجود، ہمارے مرتے ہوئے سیارے میں خوبصورتی بھی موجود ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے میں سب سے زیادہ یاد کروں گی۔ ہم سب کریں گے۔

باس کی طرف سے آنے والا پیغام جو آپ کو کنگال بنا سکتا ہے:

’باس سکیم‘ جس کے میسج پر اکاؤنٹنٹ نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ ٹرانسفر کر دیا

واٹس ایپ پر باس کا پیغام آیا: ’فوری طور پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ کپڑے تیار کرنے والی کلکتہ کی کمپنی کو بھیج دیں۔‘

کمپنی کے اکاؤنٹنٹ نے ہدایات پر عمل کر دیا گیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ پیغام بھیجنے والا فرد باس نہیں بلکہ ہیکر تھا۔

23 جون 2026 کو انڈین ریاست گجرات کے مرکزی شہر احمد آباد میں پروین ناگجی بھائی بوالیا کو ایک نامعلوم موبائل نمبر سے واٹس ایپ پیغام موصول ہوا۔

پیغام بھیجنے والے نے خود کو انڈین ریزرو بینک (آر بی آئی) کے ’رسک کنٹرول‘ شعبے کا اہلکار بتایا۔

پیغام میں کہا گیا تھا کہ ان کی کمپنی کے بینک اکاؤنٹ میں ’غیر معمولی مالیاتی سرگرمیاں‘ دیکھی گئی ہیں اور اکاؤنٹ کو بند یا معطل کیا جا سکتا ہے۔ پیغام کے ساتھ ایک زِپ فائل بھی بھیجی گئی تھی۔

بی بی سی گجراتی سے گفتگو کرتے ہوئے پروین ناگجی نے کہا: ’مجھے گذشتہ چھ ماہ سے مسلسل ایسے پیغامات موصول ہو رہے تھے۔ میں نے ابتدا میں ان پر توجہ نہیں دی، لیکن چونکہ ایسے لنکس بار بار آ رہے تھے، اس لیے میں نے سوچا کہ شاید یہ واقعی آر بی آئی کی جانب سے ہوں۔‘

خود کو آر بی آئی کا اہلکار کہنے والے شخص نے پروین ناگجی کو واٹس ایپ پر جو لنک بھیجا تھا، وہی لنک انھوں نے اپنی ریئل سٹیٹ کمپنی کے اکاؤنٹنٹ کو بھیج دیا اور ان سے کہا کہ ’مزید معلومات حاصل کریں تا کہ معلوم ہو سکے کہ کہیں اکاؤنٹ منجمد تو نہیں کیا گیا۔‘

ان کے مطابق: ’اکاؤنٹنٹ نے اپنے ڈیسک ٹاپ پر لنک کھولا اور فائل ڈاؤن لوڈ کر لی۔‘

لیکن اس فائل کے ذریعے ہیکر اس کمپیوٹر تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔

’فائل ڈاؤن لوڈ ہونے کے بعد ہیکر میرے ڈیسک ٹاپ سے میرے واٹس ایپ رابطے اور پیغامات دیکھنے لگا۔‘

پروین ناگجی کے مطابق یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب وہ ادے پور میں ایک شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہیکر کو ان کی موجودہ صورتحال کا بھی علم تھا۔ اگلی صبح ہیکر نے ان کے نام سے اکاؤنٹنٹ کو پیغام بھیجا اور کولکتہ کی ایک گارمنٹس کمپنی میں فوری طور پر ڈیڑھ کروڑ روپے منتقل کرنے کی ہدایت کی۔

اکاؤنٹنٹ نے سمجھا کہ یہ ہدایات ان کے باس پروین ناگجی کی طرف سے آئی ہیں، اور انھوں نے رقم منتقل کر دی۔

جب پروین ناگجی کو اس لین دین کا علم ہوا تو انھوں نے سائبر کرائم حکام سے رابطہ کیا۔

پولیس کے مطابق ہیلپ لائن پر شکایت درج کرائے جانے کے بعد فراڈ سے حاصل کی گئی ایک کروڑ 13 لاکھ 53 ہزار 700 روپے کی رقم واپس حاصل کر لی گئی، جبکہ تقریباً 25 لاکھ روپے بیرونِ ملک منتقل کیے جا چکے تھے۔

پولیس نے اس مبینہ فراڈ میں ملوث ہونے کے الزام میں مغربی بنگال سے دو ملزموں، ارم علی پیادا اور انزامل ملا کو گرفتار کیا ہے۔ پولیس کے مطابق معاملے کی تحقیقات جاری ہیں۔

بی بی سی نے دونوں ملزمان کے وکلا یا اہلِ خانہ سے مؤقف لینے کی کوشش کی، تاہم خبر شائع ہونے تک ان سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

احمد آباد پولیس نے اس جرم کی تہہ تک پہنچنے کا دعویٰ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سائبر مجرموں نے کمپنی کے سربراہ کی شناخت استعمال کر کے ملازمین سے بڑی رقوم منتقل کروائیں۔

اس قسم کے فراڈ میں کمپنی کے سربراہ کے نام اور پروفائل تصویر کا استعمال کرتے ہوئے اکاؤنٹنٹ یا مالیاتی شعبے کے کسی ملازم کو واٹس ایپ پر پیغام بھیجا جاتا ہے۔

پیغام میں ہدایت دی جاتی ہے کہ فوری طور پر ایک مخصوص اکاؤنٹ میں رقم منتقل کی جائے۔ اس قسم کے سائبر فراڈ کو ’باس سکیم (scam)‘ کہا جاتا ہے۔

اگرچہ پیغام باس کے اصل نمبر سے نہیں آتا، لیکن ملازم کے فون پر وہ باس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔

احمد آباد سائبر کرائم پولیس کی تحقیقات میں معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کی دھوکہ دہی کے پیچھے ایک منظم گروہ کام کر رہا ہے، جو جعلی سم کارڈ، او ٹی پی، واٹس ایپ اکاؤنٹس اور میل ویئر (ہیکنگ سافٹ ویئر) استعمال کرتا ہے۔

پولیس نے انڈیا کی 26 ریاستوں میں درج 251 شکایات کی جانچ کی، جن میں تقریباً 4500 سم کارڈز سے متعلق معلومات شامل تھیں۔

ان میں ’باس سکیم‘ سے متعلق بھی تین شکایات شامل تھیں۔

پولیس کا کہنا ہے کہ انھیں ملنے والی ابتدائی معلومات کے مطابق اس نیٹ ورک کے روابط انڈیا کے علاوہ چین، پاکستان اور ہانگ کانگ سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے تحقیقات جاری ہیں۔

A LEGACY ROOTED
IN TRUST
Hamdard
RoohAfza